كلام الملوك ملوك الكلام

الابريز

ملفوظات

غوث زمان قبلۂ عالمیان السید الشریف عبد العزیز دباغ الحسنی الادریسی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

الإمام الشیخ أحمد بن مبارک السجلماسی المالکی

مترجم

جامع المنقول والمعقول حاوی الفروع والأصول
ابو العلا محمد محی الدین جہانگیر

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

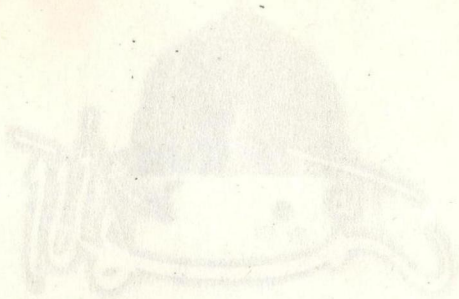

كلام الملوك ملوك الكلام

بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے

الابریز

ملفوظات

غوث زماں قبلہ عالمیاں السید الشریف عبد العزیز دباغ الحسنی الادریسی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

الإمام الشیخ أحمد بن مبارک السلجماسی المالکی

مترجم

جامع المنقول و المعقول حاوی الفروع والاصول

ابو العلاء محمد محی الدین جہانگیر

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

11- گنج بخش روڈ لاہور

042-7313885

﴿جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں﴾

نام کتاب	———	**الابریز**
ملفوظات	———	سیّدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ
مرتب	———	شیخ احمد بن مبارک السلجماسی المالکی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	———	ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر
اشاعت اوّل	———	جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ/ جولائی 2006ء
کمپوزنگ	———	**ورڈ زمیکر**
تعداد صفحات	———	648
تعداد	———	1100
باہتمام	———	سیّد محمد شجاعت رسول شاہ قادری
ناشر	———	نوریہ رضویہ پبلی کیشنز
مطبع	———	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپیوٹر کوڈ	———	1N-111
قیمت	———	275 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
انفال سنٹر اُردو بازار کراچی

مکتبہ غوثیہ ہول سیل
پرانی سبزی منڈی کراچی

احمد بک کارپوریشن
اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی

مکتبہ ضیائیہ
بوہڑ بازار راولپنڈی

اسلامک بک کارپوریشن
اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی

مکتبہ المدینہ
بوہڑ گیٹ، ملتان

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز 37- الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہو 7313885

مکتبہ نوریہ رضویہ بغدادی جامع مسجد گلبرگ اے فیصل آباد فون: 2626046

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے ہمیں یہ توفیق عطا فرمائی کہ ہم تصوف کی معرکہ آراء تصنیف ''الابریز'' کا ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ کتاب گیارہویں صدی ہجری کے مشہور صوفی بزرگ غوثِ زماں سیّدی عبدالعزیز دباغ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے ان کے فاضل اور چہیتے مرید احمد بن مبارک مالکی نے مرتب کیا۔ سیّدی عبدالعزیز دباغ مراکش کے شہر ''فاس'' کے رہنے والے تھے اور وہیں آپ کا مزارِ مبارک قبلۂ حاجاتِ خلائق ہے۔ ہم اس سے پہلے درود شریف کی مشہور کتاب ''دلائل الخیرات'' کی شرح ''مطالع المسرات'' کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں' اس کے مصنف بھی شہر ''فاس'' کے رہنے والے تھے اور اب یہ دوسرا ''مراکشی فاسی'' تحفہ پیش خدمت ہے۔ امید ہے یہ کاوش بھی آپ کو پسند آئے گی۔

کسی بھی مخصوص فن سے متعلق کتاب کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کے لیے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ مترجم دونوں زبانوں کے محاورے اور تراکیب کے ساتھ ساتھ متعلقہ فن سے بھی آگاہ ہو۔ ہزار شکر کہ ہمارے فاضل دوست محمد محی الدین ان صفات سے متصف ہیں۔ جس کا اندازہ آپ کو ترجمے کے مطالعہ کے دوران ہو جائے گا۔ اور فن تصوف سے متعلق فاضل مترجم کی آگاہی کے ثبوت کے لیے وہ نکات کافی ہیں جو انہوں نے کتاب کے آغاز میں ''العقد الثمین'' کے عنوان کے تحت تحریر کیے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ وہ اس نوعیت کے دیگر نکات و فوائد کو اسی طرح سادہ اور آسان انداز میں مرتب کریں تاکہ فن تصوف سے دلچسپی رکھنے والے قارئین ان سے استفادہ کر سکیں۔ ویسے ادارہ عنقریب فاضل مترجم کی مختصر تصنیف ''معارف جہانگیری'' شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جس میں نہایت عام فہم انداز میں ''وحدت الوجود'' اور چند دیگر نکات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ فاضل مترجم نے امیر کبیر سیّد علی ہمدانی کی مشہور تصنیف ''ذخیرۃ الملوک'' کا ترجمہ کیا ہے وہ بھی عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ فاضل مترجم کے علم و عمل میں برکت دے اور ہم سب مسلمانوں کو دین متین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا کرے۔

سیّد محمد شجاعت رسول شاہ قادری

صباغی کے مشاہدات ۷۲
عبداللہ التازی کے مشاہدات ۷۸
زیادی کے مشاہدات ۸۰
کرامت ۸۸
پہلا باب ۹۵

احادیث مبارکہ کی تشریح

پہلی حدیث ۹۵
حاضرین کی الجھن ..... "
کتاب کا مفہوم ۹۶
''سات حروف'' کی تشریح ۹۸
اہلِ علم کی تحقیقات ۹۹
سات انوار کی وضاحت ۱۰۰
(i) حرفِ نبوت ۱۰۱
(ii) حرفِ رسالت ..... "
(iii) حرفِ آدمیت ..... "
(iv) حرفِ روح ..... "
(v) حرفِ علم ..... "
(vi) حرفِ قبض ۱۰۲
(vii) حرفِ بسط ..... "
سات حروف کی ذیلی اقسام ۱۰۴
1-حرفِ آدمیت ..... "
2-حرفِ قبض ۱۰۵
3-حرفِ بسط ۱۰۶
4-حرفِ نبوت ۱۰۹
5-حرفِ روح ۱۱۴
6-حرفِ علم ۱۲۰
7-حرفِ رسالت ۱۳۵
حروفِ تہجی میں سات حروف کے اجزاء ۱۲۹
قرآنی رسم الخط کی بحث ۱۳۳
حضرت عثمان غنی کا قول ۱۳۴
اس تاویل پر اعتراض ۱۳۵
سیّدی دباغ کی رائے ..... "
الفاظِ قرآنی کا تحریری اختلاف ۱۳۷
رسم الخط کا متواتر نہ ہونا ۱۳۸
حضرت عثمانِ غنی کے قول کی تشریح ۱۳۹
پیش کی اقسام ۱۴۲
زبر کی سات اقسام ۱۴۳
زیر کی سات اقسام ..... "
الحمدللہ کی تفسیر ۱۴۴
رب العالمین کی تفسیر ۱۴۵
اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کی تفسیر ۱۴۶
مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی تفسیر ..... "
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۱۴۷
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۱۴۸
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۱۴۹
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۱۵۰
دیگر قراتوں کی توضیح ۱۵۳
دباغ کے کلام کا نچوڑ ۱۵۷
پہلی خصوصیت ۱۵۸
دوسری خصوصیت ..... "
تیسری خصوصیت ..... "
چوتھی خصوصیت ۱۵۹
پانچویں خصوصیت ..... "
چھٹی خصوصیت ..... "
ساتویں خصوصیت ۱۶۰
آٹھویں خصوصیت ..... "

نویں خصوصیت ۱۶۱
دباغ کے جواب اور احادیث میں تطبیق ۱۶۲
الفاظ اور ان کے باطنی انوار ۱۶۷
اختلاف قرأت کی سات اقسام ۱۶۸
رؤیائے صالحہ اور فرمانِ نبوی ۱۶۹
اجزاء نبوت سے کیا مراد ہے؟ ۱۷۰
ایک اہم اشکال ۱۷۱
حلیمی کے بیان کردہ اجزاء نبوت ..... "
حلیمی کے بیان پر نقد ۱۷۳
غزالی کی تشریح ۱۷۴
دیگر علماء کی تشریحات ۱۷۵
ابن حجر کا اعتراف ۱۷۶
ابن بطال کی تاویل ۱۷۷
امام ابن ابی حمزہ کی تشریح ..... "
شیطانی خوابوں کا حکم ۱۷۸
اہل ظلمت کے سچے خواب ۱۷۹
خواب پریشاں کا حکم ۱۸۰
برا خواب دیکھنے پر تعوذ کی حکمت ۱۸۱
دائیں اور بائیں جانب کا حکم ۱۸۲
تین مرتبہ تھوکنے کی حکمت ۱۸۳
خواب پریشاں سے متعلق آداب ..... "
ایک حدیث کی تشریح ۱۸۵
تعبیر میں غلطی کیا تھی؟ ۱۸۶
سیّدی دباغ کی بیان کردہ تعبیر ۱۸۸
اس تعبیر پر ایک اعتراض ۱۸۹
تین اشخاص سے مراد کون ہے؟ ۱۹۰
تعبیر میں فرق کی وجہ ۱۹۱
ذات اقدس کی طرف کامل توجہ ۱۹۲
خواب کی حقیقت ۱۹۳
فلاسفہ کی رائے ..... "
معتزلہ کی رائے ۱۹۴
اہلسنّت کی رائے ..... "
بعض اہل علم کی رائے ۱۹۵
سیّدی دباغ کا جواب ۱۹۶
خواب کی پہلی قسم ادراک ..... "
روح کی قوتِ سماعت ..... "
روح کی بصارت ..... "
روح کا غور وفکر ۱۹۷
خواب روح کی صلاحیت کے مطابق ہوتا ہے ..... "
ظلمت کے درجات ..... "
1-مکروہ فعل کا لاشعوری ارتکاب ۱۹۸
2-حرام کا لاشعوری ارتکاب ..... "
3-مکروہ فعل کا شعوری ارتکاب ..... "
4-حرام کا شعوری ارتکاب ۱۹۹
5-خفیف عقیدے سے لاعلمی ..... "
خفیف عقیدے کی وضاحت ..... "
ثقیل عقیدے کی وضاحت ۲۰۰
6-خفیف عقیدے کا قائل نہ ہونا ۲۰۱
7-ثقیل عقیدے سے لاعلمی ..... "
8-ثقیل عقیدے کا قائل نہ ہونا ..... "
9-صفاتِ نبوی سے لاعلمی ۲۰۲
10-نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں
منفی عقیدہ لکھنا ..... "
طہارت کے درجات ۲۰۳
1-نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں
مثبت عقیدہ ..... "

اختیار کے اندر ہو لیکن عارضی انوار پھیل جائیں تو حدیث قدسی ہوگی اور اگر انوار مستقل ہوں تو یہ عام حدیث ہوگی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے انوار موجود ہوتے ہیں۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے دریافت کیا: کیا حدیث قدسی اور قرآن کے درمیان فرق صرف کشف کے ذریعے معلوم کیا جا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر عقل مند شخص قرآن اور غیر قرآن کے درمیان فرق محسوس کر سکتا ہے۔ میں نے دریافت کیا: مشرکین عرب کو کیسے پتہ چلا کہ یہ اللہ کا کلام ہے کیونکہ وہ اپنی جبلت کے تحت زیادہ سے زیادہ یہ اندازہ کر سکتے تھے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے مگر یہ کسی فرشتے کا کلام بھی ہو سکتا تھا؟ سیّدی دباغ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کے کلام کی مثال شاہی فرمان کی مانند ہے اور اس کی مانند رعب و دبدبہ کسی اور کلام کو حاصل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام اور مخلوق کے کلام کے درمیان چار اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے: پہلی صورت ایسا کلام مخلوق کے بس سے باہر ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے جبکہ مخلوق کا علم محدود ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اللہ کے کلام میں رعب و دبدبہ پایا جائے گا۔ مخلوق کا کلام اس سے خالی ہوگا۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ جب فانی حروف کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو کلام الٰہی میں خالص قدیم معانی رہ جائیں گے اور ہر صاحب عرفان شخص ان قدیم معانی کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام الٰہی اور غیر کلام الٰہی کے درمیان تحریری اعتبار سے فرق کیا ہے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) سیّدی دباغ کے کلام کی یہ مختصر سی تلخیص تھی۔ شیخ ابوبکر باقلانی نے بھی اپنی تصنیف ''الانتصار'' میں اسی طرح کی باتیں بیان کی ہیں جب میں نے سیّدی دباغ کے سامنے شیخ ابوبکر باقلانی کے کلام کا تذکرہ کیا تو آپ نے کلام الٰہی اور غیر کلام الٰہی کے درمیان ایک پانچویں فرق کی بھی وضاحت کی جو کشف سے تعلق رکھتا ہے جسے تحریر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ انسانی عقل سے ماورا ہے۔

ہم

اپنے مقدمے کو یہیں پر ختم کرتے ہوئے سیّدی دباغ کے ملفوظات اور معارف کا تذکرہ شروع کرتے ہیں۔

پہلا باب

احادیث مبارکہ کی تشریح

عملاً ناممکن ہے اس لیے حاضرین میں سے ایک صاحب نے یہ سوال پیش کر دیا جس کے ضمن میں بعض دیگر نکات بھی شامل تھے۔ (سوال یہ تھا) علماء کرام نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ قدرت باری تعالیٰ کا تعلق محال کی بجائے ممکن کے ساتھ ہے جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات منقول ہے۔

انه خرج ذات یوم بکتابین فی یدیه علی اصحابه فقال ان فی الکتاب الواحد اسماء اهل الجنة واسماء آبائهم واسماء قبائلهم وعشائرهم، وفی الکتاب الآخر اسماء اهل النار وآبائهم و قبائلهم و عشائرهم

''ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے پاس تشریف لائے تو اس وقت آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں موجود تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان میں سے ایک کتاب میں اہل جنت، ان کے آباؤ اجداد اور خاندان وقبائل کے نام تحریر ہیں جبکہ دوسری کتاب میں اہل جہنم ان کے خاندان وقبائل کے نام تحریر ہیں۔''

(اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے) کتاب کا ظاہری حجم مختصر ہوگا اور جنتیوں اور جہنمیوں کے اسما بے شمار ہیں جو اتنے مختصر صفحات میں نہیں سما سکتے تو گویا یہاں ایک بڑی چیز کو چھوٹی میں موجود ثابت کیا گیا ہے حالانکہ نہ تو چھوٹی چیز کو بڑا کیا گیا ہے اور نہ ہی بڑی چیز کو چھوٹا کیا گیا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر وہ کتنا بڑا رجسٹر ہوگا جس میں یہ تمام اسماء تحریر کیے جا سکتے ہیں۔ اس لیے عقلی طور پر یہ بات ناممکن ہے کہ ناموں کی وسعت اور اس کتاب کے حجم کے اختصار کو اپنی اپنی جگہ پر باقی رکھتے ہوئے اس قدر زیادہ نام اس مختصر کتاب میں تحریر کیے جا سکیں۔ (مگر دوسری طرف یہ نکتہ بھی قابل غور ہے) کہ اس بات کی اطلاع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں جو غلط بیانی یا غلطی دونوں سے معصوم ہیں کیونکہ ان کا قول وحی الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔

سید عبدالعزیز دباغ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: اہل سنت کے علماء کرام نے جو اصول بیان کیا ہے ہم اسی کے مطابق عقیدہ رکھیں گے کہ کسی نبی سے بطور معجزہ اور کسی ولی سے بطور کرامت کوئی ایسی چیز صادر نہیں ہو سکتی جو عقلاً ناممکن ہو (لیکن یہ نکتہ ذہن نشین کر لیں) کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عقل کو کوئی نکتہ سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے لیکن جب حقیقت حال کی طرف اس کی رہنمائی کی جائے تو عقل اس بات کے امکان کو قبول کر لیتی ہے۔

کتاب کا مفہوم

(پھر آپ نے مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) اس حدیث میں کتابت سے مراد تحریری شکل نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوراق کی طرف توجہ فرمائی تو یہ تمام نام آپ کو ان اوراق میں موجود دکھا دیئے۔ اس کی مزید وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی چیز پر نظر مبارک ڈالتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے تمام حجابات اٹھا لیے

جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل ترین روحانی بصیرت عطا فرمائی ہے اور جب یہ روحانی بصیرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری بصارت کے ساتھ مل جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری آنکھوں کے سامنے سے بھی تمام حجابات ہٹ جاتے ہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی محجوب چیز کو اسی شے میں دیکھ لیتے ہیں جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موجود ہو۔ بالفرض اگر اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی

بھیجی جانے والی کتاب کو پرے کس طرح پھینک سکتے ہیں۔ خاص طور پر اس وقت جبکہ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور دیگر برگزیدہ لوگوں کے اسماء بھی موجود ہوں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اور فرشتوں کی سب سے زیادہ تعظیم کیا کرتے تھے۔

(اب رہا یہ سوال کہ جب یہ نام تحریری صورت میں موجود نہیں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے کتاب کا لفظ کیوں استعمال کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوراق میں نظر آنے والی صورت کو کتاب اس لیے کہا کہ خارجی وجود پر دلالت کرنے کے اعتبار سے وہ کتابت کے مشابہ تھی کیونکہ ''کتابت'' کا لغوی معنی ''اکٹھا کرنا'' ہے۔ لہٰذا کسی بھی مجموعے کو مکتوب کہا جا سکتا ہے کیونکہ فوجی دستوں میں بہت سے سپاہی اکٹھے ہوتے ہیں اس لیے ان دستوں کو ''کتائب'' کہا جاتا ہے اور اس کا واحد ''کتبہ'' ہے اس کا معنی مجموعہ ہے۔

(اب یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اس کتاب کو ربّ العالمین کی طرف کیوں منسوب کیا گیا جبکہ کتابت سے مراد تحریری شکل نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے) جس روحانی بصیرت کے باعث وہ نام دکھائی دیئے تھے وہ نہ تو عام انسان کے بس میں ہے اور نہ ہی اسے اکتساب کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ صرف عطیہ خداوندی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص فضل کی بدولت یوں ظاہر ہوا کہ ایک مختصر شے میں بے شمار اشیاء نظر آ گئیں۔

(یہاں ایک اور سوال پیدا ہوگا' وہ یہ کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان تمام اشیاء کی صورتیں اس مختصر چیز میں ظاہر ہو گئی تھیں لیکن تمام صورتوں کو ایک نظم میں کس طرح دیکھا گیا؟ اس کا جواب یہ ہوگا) کہ یہ بات ناممکن نہیں ہے کیونکہ انسانی آنکھ کی پتلی مسور کے دانے کے برابر ہے مگر اس میں وسیع وعریض آسمان دکھائی دے جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ روایت کسی بھی اعتبار سے ناممکن سے متعلق نہیں ہے اور اسی طرح دیگر معجزات بھی ناممکن سے متعلق نہیں ہوا کرتے۔

''سات حروف'' کی تشریح

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے کئی مرتبہ آپ سے اس حدیث کے معنی دریافت کئے۔

ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف

''بے شک اس قرآن کو سات حروف پر اتارا گیا ہے۔''

آپ نے اس کے بہت سے جوابات عنایت کئے لیکن اس کے باوجود میری تسلی نہیں ہو سکی اور میں کسی جامع اور تسلی بخش جواب کا منتظر رہا۔ اصل الجھن یہ تھی کہ ''حرف'' کا لغوی معانی ظاہر ہے لیکن بعض سورتوں کے آغاز میں آنے والے حروف مقطعات سمجھ نہیں آتے۔ مفسرین نے اس حدیث کی تشریح میں بہت سے اقوال بیان کئے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد بے چینی میں اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا ایک ہی مقصد ہوگا لیکن شارحین نے اس کے چالیس مختلف معانی بیان کئے ہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جس کے اصل معنی سے عدم واقفیت کی وجہ سے اتنے بہت سے اقوال ذکر کئے

گئے ہیں اور بالواسطہ طور پر یہ امکان سامنے آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل مراد ان تمام اقوال سے بھی مختلف ہو۔

اس حدیث کو بہت سے صحابہ نے روایت کیا ہے جن میں حضرت عمر بن خطاب، ہشام بن حکیم، ابی بن کعب، عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن عفان، عمر بن ابی سلمہ، ابو جہیم، سمرہ بن جندب، عمرو بن العاص، ام ایوب انصاریہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں، اور اس کے علاوہ دیگر بہت سے صحابہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ یہاں تک کہ مشہور محدث حافظ ابو یعلیٰ موصلی اپنی کتاب ''مسند کبیر'' میں درج ذیل روایت نقل کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبے کے دوران حاضرین سے یہ بات دریافت کی کہ میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ تم میں سے جس شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن رکھا ہے وہ کھڑا ہو جائے (وہ فرمان یہ ہے)

ان هذا القرآن انزل علىٰ سبعة حرف وكل لشأن

''بے شک اس قرآن کو سات حروف پر نازل کیا گیا اور ان میں سے ہر حرف کی اپنی مخصوص شان ہے۔''

(حضرت عثمان غنیؓ کی یہ بات سن کر) بہت سے حضرات کھڑے ہو گئے جن میں سے ہر ایک اس بات کا اقرار کر رہا تھا کہ اس نے بذات خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ فرمان مبارک سنا ہے۔ (یہ دیکھ کر) حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا: میں نے خود بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ فرمان سن رکھا ہے۔

مشہور محقق حافظ ابو عبیدہ اور علم حدیث کے بعض دیگر ماہرین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ روایت حدیث متواتر کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں علماء نے اس کے معانی کی وضاحت میں مختلف تشریحات بیان کی ہیں بلکہ بعض اہل علم نے صرف اس حدیث کے معانی کی وضاحت میں کتابیں تحریر کی ہیں جن میں سے ایک حضرت شیخ ابو شامہ ہیں۔

اہلِ علم کی تحقیقات

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اس مسئلے سے متعلق جن حضرات کی تحقیق مجھے ذاتی طور پر بڑی پسند آئی ہے وہ یہ چار حضرات ہیں:

ا- لسان المتکلمین قاضی ابو بکر باقلانی، آپ نے اپنی کتاب ''الانتصار'' میں اس موضوع پر انتہائی نفیس بحث کی ہے۔

ب- امام ابن جزری، آپ نے اپنی تصنیف ''النشر'' کی دس فصول میں اس روایت کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس روایت کو نقل کرنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماء کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

ج- امام ابن حجر عسقلانی آپ نے اپنی تصنیف ''فتح الباری شرح صحیح البخاری'' میں ''فضائل قرآن'' کے باب میں اس موضوع پر عمدہ اظہار خیال کیا ہے۔

د- امام جلال الدین سیوطی نے اپنی تصنیف ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں اس روایت کے معانی کی وضاحت میں ۴۰ مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔

اگرچہ میں ان چاروں حضرات کی تحقیقات کا مطالعہ کر چکا تھا اور اس مسئلے کے مختلف پہلو میرے پیش نظر تھے لیکن اس کے باوجود یہ بات واضح نہیں ہو سکی کہ اس فرمان کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کیا ہے؟ اس لیے میں نے حضرت شیخ سیّدی عبدالعزیز دباغ کی خدمت میں عرض کی۔ میں آپ سے صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کے بارے جاننا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: انشاء اللہ۔ میں کل تمہیں اس بارے میں جواب دوں گا اور اگلے دن آپ نے جواب مرحمت فرمایا۔ جو بالکل سچ تھا۔ آپ نے فرمایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کے مرادی معنی دریافت کیے تو آپ علیہ السلام نے اپنی مراد کی تشریح فرمائی۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں: حضرت شیخ نے یہ معانی میرے سامنے بیان کیے) تو میں تین دن شیخ کے ساتھ بحث میں مصروف رہا اور آپ اس کے معانی کی وضاحت کرتے رہے۔ اس کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ یہ حدیث (معنوی وسعت کے اعتبار) سے نہایت عظیم مرتبے کی حامل ہے۔ اس کی تشریح کے دوران میں نے اس قدر اسرار کا علم حاصل کیا جن کی وضاحت کرنا ممکن نہیں ہے۔ تاہم میں اپنے الفاظ میں ان کا خلاصہ بقدر استطاعت تحریر کر رہا ہوں (جو درج ذیل ہے)

سات انوار کی وضاحت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص قوت پیدا فرمائی ہے جس کے انوار سات قسم پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نور کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ہے اور دوسرے پہلو کا تعلق مخلوق کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے ہے۔ یہ انوار پہلے رخ (یعنی ذات باری کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق) کے حوالے سے مسلسل بہاؤ کی شکل میں رہتے ہیں اور ان میں کبھی کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔ جب اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی کوئی آیت نازل کرتا ہے تو اس آیت کے ہمراہ اس پہلے رخ کا کچھ نور موجود ہوتا ہے۔ پہلے رخ سے تعلق رکھنے والا یہ نور مکمل طور پر نازل نہیں ہوتا کیونکہ اس کا تعلق ذات باری تعالیٰ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے ہے اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی اس لیے دیگر مخلوق کے سامنے اس نور کا کچھ حصہ ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر آیت کے ساتھ ان ساتوں انوار میں سے کسی ایک نور کا کچھ حصہ موجود ہوتا ہے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے عرض کی: یہ انوار کون سے ہیں جنہیں سات حروف کا نام دیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ یہ ہیں:

(i) حرفِ نبوت:

اس کی علامت یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں صبر کا حکم دیا گیا ہو۔ حق کی طرف رہنمائی کی گئی ہو۔ وہ آیت دنیا اور اس کی خواہشات سے گریز کی تعلیم دیتی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبوت طبعی طور پر حق کی طرف مائل ہوتی ہے اور حق بیان کرتی ہے۔ حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور اس بارے میں خیر خواہی کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔

(ii) حرفِ رسالت:

اس کی نشانی یہ ہے کہ آیت میں دار آخرت، اس کے درجات، وہاں رہنے والوں کے مقامات اور انہیں حاصل ہونے والے ثواب کا ذکر موجود ہو۔

(iii) حرفِ آدمیت:

اس سے مراد وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کے اندر پیدا کیا ہے اور اسی کی بدولت بنی نوع انسان کو اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ جس کی بدولت انسان کا کلام فرشتوں، جنات اور گفتگو کی صلاحیت رکھنے والی دیگر تمام مخلوقات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ یہ صفت اگرچہ تمام بنی نوع انسان میں مشترک ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں کیونکہ درجہ کمال میں پائی جاتی ہے اس لیے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سات انوار میں سے ایک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفائی اور طہارت کے اعتبار سے سب سے بلند و بالا ہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت کے اعتبار سے جس مرتبے پر فائز ہیں وہاں تک کسی بھی دوسرے فرد کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ مزید برآں کلام کی صلاحیت پیدا کرنے والا نور جب دیگر انوار یعنی نور نبوت، نور رسالت، نور روح، نور علم، نور قبض اور نور بسط کے ساتھ مل جاتا ہے تو کمال کے انتہائی مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ اب کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ان چھ دیگر انوار سے بھی مدد حاصل کرتی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی تمام آیات میں یہ نور بھی پایا جائے گا کیونکہ قرآن بنی نوع انسان ہی سے تعلق رکھنے والے ایک گروہ کی زبان یعنی عربی میں نازل ہوا ہے۔

(iv) حرفِ روح:

اس کی علامت یہ ہے کہ قرآن کی آیت اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کے بیان پر مشتمل ہو اور اس میں مخلوق کا کوئی ذکر نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روح ہمیشہ مشاہدۂ حق میں مستغرق رہتی ہے۔ اس لیے جب اس نوعیت کی کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو اس میں نورِ روح موجود ہوتا ہے۔

(v) حرفِ علم:

اس کی علامت یہ ہے کہ کسی آیت میں سابقہ اقوام کے حالات ذکر کئے گئے ہوں جیسے عاد و ثمود یا حضرت نوح، ہود، صالح یا دیگر انبیاء علیہم السلام کی اقوام کے بارے میں کوئی بات بیان کی گئی ہو یا کسی آیت میں کسی بات کی مذمت بیان کی گئی ہو جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ

(البقرۃ ۲:۱۶)

''یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی لیکن ان کی تجارت فائدہ مند نہ ہوئی اور وہ (فائدہ مند اور نفع بخش سودے کی) راہ جانتے ہی نہ تھے۔''

مختصر طور پر ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام آیات جن میں واقعات بیان کئے گئے ہیں، وعظ و نصیحت کی گئی ہے یا حکمت آمیز باتیں بیان کی گئی ہیں وہ اسی قسم سے متعلق ہونگی۔

سیّدی عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں۔ اس حرف کا نور انسان سے جہالت کو دور کر کے اسے عارف اور معرف بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ کوئی شخص کسی پہاڑ کی چوٹی پر پیدا ہوا اور اس نے زندگی بھر کسی انسان کو دیکھا تک نہیں پھر جوانی کے عالم میں وہ شخص کسی شہر میں آئے اور اس وقت اس کی باطنی کیفیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حرف علم کے ذریعے اس کی دستگیری فرمائی ہو تو شہر میں رہ کر ساری زندگی علم حاصل کرنے والا کوئی بھی شخص کسی بھی موضوع پر اس شخص کے ساتھ گفتگو نہیں کر سکے گا۔

(vi) حرف قبض:

اس کی علامت یہ ہے کہ آیت کریمہ میں کفار و مشرکین کو مخاطب کیا گیا ہو۔ کبھی انہیں تباہی کی نوید سنائی گئی ہو اور کبھی دوسرے طریقوں سے ڈرایا جا رہا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ

(البقرۃ ۲:۱۰)

''اور ان کے دلوں میں بیماری ہے، پس اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔''

نور اور ظلمت کی افواج ہمیشہ برسر پیکار رہتی ہیں۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ان ظلمتوں کی طرف مبذول ہوتی ہے اس وقت حرف قبض کا یہ نور ظاہر ہوتا ہے اور اس نور میں سے مذکورہ بالا قسم کی آیات سامنے آتی ہیں۔

(vii) حرفِ بسط:

اس کی علامت یہ ہے کہ کسی آیت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہو۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

توجہ اللہ کی نعمتوں کی طرف مبذول ہوتی ہے اس وقت بسط کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور یہ آیات مقام بسط سے ظاہر ہوتی ہیں۔

سیّدی عبدالعزیز دباغ نے ارشاد فرمایا: ان ساتوں حروف کی یہی پہچان ہے لیکن اگر تفصیلی اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو ان ساتوں حروف میں سے ہر ایک حرف کی 366 مختلف وجوہ ہیں۔ اگر میں ہر حرف کی 366 مختلف وجوہ میں سے ہر ایک کا تذکرہ شروع کروں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کا سورج سب لوگوں کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا لیکن یہ وہ اسرار ہیں جنہیں چھپانا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے تحت جن لوگوں کو فتح کبیر عطا فرماتا ہے وہ ان کا علم حاصل کر لیتے ہیں اور جسے فتح حاصل نہیں ہوتی اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنی ظاہری حالت پر ہی باقی رہے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے حضرت کے سامنے یہ اشکال پیش کیا کہ اس بارے میں جس قدر روایات منقول ہیں ان سب میں حروف سبعہ سے مراد قرآن کے الفاظ کی ادائیگی کا اختلاف ہے جیسا کہ حضرت عمر کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ہشام بن حکیم کو قرأت کرتے ہوئے سنا اور ان کی قرأت کا طریقہ اس قرأت سے مختلف پایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تعلیم فرمائی تھی۔ بعد میں جب ہم دونوں نے اپنا مقدمہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی قرأت کو درست قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ان هذا القرآن انزل على سبعة احرف فاقرء وا ماتيسر منه

(صحیح بخاری، ۴:۱۹۰۹، رقم الحدیث:۴۷۰۶)

"بے شک اس قرآن کو سات حروف پر نازل کیا گیا ہے لہٰذا جسے جو آسان محسوس ہو ویسے قرأت کرے۔"

(میں نے عرض کی: یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ قرأت کا تعلق الفاظ کی ظاہری ادائیگی کے ساتھ لیکن) آپ کے بیان کے مطابق یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں موجود چند ربانی انوار اور باطنی اوصاف ہیں (اگر واقعی ایسا ہے تو پھر) حضرت عمرؓ اور حضرت ہشام بن حکیمؓ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہئے تھا جس کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی وضاحت کرنا پڑتی کہ قرآن سات حروف میں نازل ہوا۔

سیّدی عبدالعزیز دباغ نے ارشاد فرمایا: اس طرح کی روایات میں جس اختلاف کا ذکر کیا ہے وہ باطنی اختلاف کی فرع ہے کیونکہ قبض کی بدولت کسی حروف کو ساکن پڑھا جاتا ہے، اس پر پیش پڑھی جاتی ہے۔ اسی طرح زبر حرف رسالت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے جبکہ زیر کا تعلق حرف آدمیت کے ساتھ ہے۔ ہر آیت کی ایک مخصوص فتح اور متعین ذوق ہے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) جب میں نے یہ نورانی بیان سنا تو فوراً آپ کے سامنے سورہ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کا کچھ حصہ تلاوت کیا۔ آپ نے ان آیات کی ایسی تفسیر بیان کی کہ میں مبہوت رہ گیا پھر میں نے ان آیات کو دوبارہ پڑھا اور قرأت کی ساتوں روایات یعنی نافع، ابن کثیر، ابوعمرو بن العلاء البصری، ابن عامر، عاصم، حمزہ اور کسائی (جو علم قرأت کے سات بڑے ماہر ہیں) کی قرأت میں سے ہر ایک کی مخصوص قرأت کے تحت آیات کو پڑھا تو آپ نے اختلاف رائے کے نتیجے میں معنی میں در آنے والی تبدیلی کی ایسی عظیم الشان تفسیر بیان کی جو نہایت حیرت انگیز تھی۔ اب میرے سامنے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ ان ساتوں قرأت میں باطنی اعتبار سے بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس روایت کے حقیقی مفہوم کو میں 30 برس سے تلاش کر رہا تھا وہ اب مجھے مل گیا۔ مجھ سے پہلے حافظ ابن جوزی بھی کم و بیش تیس برس کے عرصے تک اس کے حقیقی مفہوم کے حصول میں سرگرداں رہے اس کے بعد انہیں اس کے مفہوم کا پتہ چلا تو انہوں نے دوسروں کو بھی اس کی بابت بتایا۔ اس کی پوری تفصیل ''الانتصار'' کے مصنف (ابوبکر باقلانی نے) بیان کی ہے لیکن ان کا تمام تر بیان الفاظ کی ظاہری ادائیگی تک محدود ہے۔ انہوں نے ان باطنی انوار کا کوئی ذکر نہیں کیا جن کی وجہ سے الفاظ کی ادائیگی میں اختلاف سامنے آتا ہے۔ الغرض یہ کہ اس روایت کے مفہوم کی وضاحت میں دیگر علماء نے جو تحقیقات پیش کی ہیں ان کی حیثیت درخت کے سائے کی سی ہے اور ہمارے شیخ طریقت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے جو وضاحت بیان کی ہے اس میں درخت، اس کی جڑوں، شاخوں اور پھل سب کا ذکر موجود ہے۔

سات حروف کی ذیلی اقسام

سیّدی عبدالعزیز دباغ ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر میں چاہوں تو اس بیان کی وضاحت میں سات کتابیں املاء کروا سکتا ہوں لیکن افشائے راز سے بچنے کیلئے ایسا نہیں کرونگا۔ اسی طرح جب آپ نے میرے سامنے آیات کی تشریح کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی کہ اس آیت میں ساتوں حروف میں سے ایک حرف کا کوئی نہ کوئی جز پایا جاتا ہے تو میں نے عرض کی: کہ آپ ان ساتوں حروف کے اجزاء کی بھی تشریح فرمادیں اور ان حروف سے مسائل کی تفریع کے طریق کار کی بھی وضاحت کردیں تاکہ ان سے مکمل فائدہ حاصل کیا جاسکے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: ان ساتوں حروف میں سے ہر ایک حرف کے مزید سات اجزاء ہیں۔ یوں ان ساتوں حروف کے مجموعی طور پر 49 اجزاء ہوں گے۔

1- حرف آدمیت:

حرف آدمیت کے اجزاء درج ذیل ہیں:

(i) آدمیت کا پہلا جزو ظاہری اعتبار سے کامل حسین ہونا ہے یعنی انسان کے اعضاء اور نقوش نہایت خوبصورت ہوں۔

(ii) انسانی جسم کے ظاہری منافع مرتبہ کمال تک پہنچے ہوئے ہوں جیسے حواس خمسہ یعنی انسان کی بینائی، قوت سماعت، سونگھنے اور چکھنے کی صلاحیت مکمل طور پر درست ہو۔ اس طرح آواز، حروف کی ادائیگی سب کچھ بالکل ٹھیک ہو۔

(iii) انسان کے جسم کا باطنی حصہ یعنی دل دماغ جگر، تمام رگیں وغیرہ درست کام کرتے ہوں۔

(iv) باطنی اعتبار سے انسان کامل طور پر حسین ہو (یعنی تمام اچھی عادات وخصائل کا مالک ہو)

(v) مردانگی۔ مردانگی ہی آدمیت کا کمال ہے کیونکہ اسی صفت کی وجہ سے انسان دوسرے کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے برعکس نسوانیت خود دوسروں سے جلد متاثر ہو جاتی ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنی (بندگی) کے لیے پیدا کیا تھا اور باقی تمام اشیاء حضرت آدمؑ کی ضروریات کی تکمیل کیلئے پیدا کی تھیں جن میں عورت بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنے لیے پیدا کیا تھا اس لیے اسے اپنے اسرار عطا فرمائے اور زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کیا اور ہمیشہ کیلئے اولاد آدم میں سے مردوں کو اپنی خلافت کیلئے مقرر فرمایا۔

(vi) انسان کے جسم سے شیطانی حصے کو نکال دیا جائے کیونکہ اسی صورت میں حرف آدمیت کامل تصور ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو چاک کر کے اس میں سے ایمان وحکمت بھرا گیا تھا۔

(vii) عقل کا کامل ہونا۔ وہ اس صورت میں کہ عقل میں کوئی فتور نہ ہو اور یہ معرفت کے حصول کی بہترین صلاحیت سے بہرہ مند ہو۔

یہ حرف آدمیت کے سات اجزاء ہیں اور ان ساتوں اجزاء کا سب سے زیادہ کامل ترین مجموعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی کو بھی ان امور میں آپ سے زیادہ (بلکہ آپ کے برابر) کمال نصیب نہیں ہوا۔

2-حرفِ قبض:

(i) اس کا سب سے پہلا جز، محسوس کرنے کی وہ صلاحیت ہے جو انسان کے پورے جسم میں پھیلی ہوئی ہے اور اسی کی بدولت انسان کے جسم کا ہر ایک حصہ خیر سے اسی طرح لذت حاصل کرتا ہے جیسے انسان کی زبان شہد کی لذت کو محسوس کرتی ہے اور اسی صلاحیت کی بدولت انسان کے جسم کا ہر ایک حصہ شر سے اسی طرح بیزاری محسوس کرتا ہے جیسے انسان کی زبان "حنظل" (نامی کڑوے پھل) کی کڑواہٹ سے بیزاری محسوس کرتی ہے۔

(ii) انصاف کرنا۔ یہ قبض کا ایک ایسا جز ہے جس کے بغیر قبض کامل نہیں ہوتی کیونکہ ہم نورانی قبض کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں اور نورانی قبض میں اگر انصاف موجود نہ ہو تو پھر یہ نورانی کی بجائے ظلمانی قبض کی شکل اختیار کر جائے گی اور ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق قرار پائے گا۔

(iii) متضاد چیز سے نفرت کرنا۔ ایسا شخص (خیر کی) جملہ متضاد اشیاء سے نفرت کرے گا اور کوئی ایک متضاد خامی بھی اس کے اندر اسی طرح نہیں آ سکے گی جیسے سفیدی اور سیاہی یا قیام اور نشست بیک وقت اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

(iv) ایسا شخص حق بات کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرے گا اگرچہ وہ حق کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو اور اس بارے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرے گا۔

(v) شرعی احکام پر عمل پیرا ہونا۔ کیونکہ ہم نورانی قبض پر گفتگو کر رہے ہیں اس لئے اگر کوئی شخص شرعی احکام کی مخالفت کرتا ہو تو وہ ظلمانی قبض کا شکار ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق قرار پائے گا۔

(vi) اپنے ہم جنس (نیک) لوگوں کی طرف مکمل میلان رکھنا اور اپنے اندر بھی ان لوگوں کی کیفیت کی مانند کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کرنا جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی شخص کی زبانی یہ بات سن لیتے: اللہ حق ہے، وہ ہمارا خالق و رازق ہے، وہ ایک ہے، اس کی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جملے کا اثر اپنے قلب اطہر پر محسوس کرتے جس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرح اور کشادگی کا احساس ہوتا اور اس کلام کا ''سر'' ایک مخصوص کیفیت کی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہو جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اس کلام کے نور کو اپنے اندر جذب کر لیتی۔ جس طرح کسی متضاد چیز سے نفرت ضروری ہے اسی طرح کسی ہم جنس کی جانب مکمل میلان بھی ضروری ہے۔

(vii) گرفت کی مکمل قوت۔ جب انسان کسی ایک چیز کو گرفت میں لے تو اس کے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ ہم عام فہم مثال کے ذریعے اس کی وضاحت یوں کر سکتے ہیں جیسے ایک شخص دس چیزوں کو پکڑے اور پھر ان میں سے ایک گر جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کی گرفت مکمل نہیں ہے لیکن اگر اس سے کوئی ایک چیز بھی نہیں گرتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی گرفت مکمل ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی چیز کو مستقل طور پر اپنی گرفت میں نہیں رکھ سکتا تو اس کی گرفت بھی کمزور شمار ہوگی۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قبض کے اجزاء میں ایک جز اپنے ہم جنس کی طرف مکمل میلان رکھنا اور دوسرا جز متضاد چیز سے نفرت کرنا ہے اگر یہ دونوں کیفیات مستقل طور پر انسان کے اندر موجود رہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی گرفت مضبوط ہے، ان دونوں کیفیات کی مستقل بقا کیلئے گرفت کا کامل ہونا ضروری ہے۔

3-حرفِ بسط:

(i) اس کا پہلا جز کامل خوشی ہے جو درحقیقت باطن میں موجود ایک نور ہے اور جس شخص کے باطن میں یہ نور موجود ہوگا اس کے باطن میں کینہ، حسد، تکبر، بخل اور عداوت باقی نہیں رہیں گے کیونکہ یہ اور ان جیسی دیگر منفی صفات کی موجودگی میں کامل خوشی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب انسان کے اندر ایمان کے نور کے ہمراہ کامل خوشی کی کیفیت بھی پیدا ہو جائے تو انسان میں ساری مثبت صفات پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ اس خوبی کی

مثال ایک پاکیزہ زمین پر نازل ہونے والی بارش کی مانند ہے اور اس خوبی کے نتیجے میں تمام پاکیزہ اخلاق انسان کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں۔

(ii) شر کی بجائے خیر انسان کے اندر جاگزین ہو جائے۔ یہ ایک ایسا نور ہے جس کی موجودگی میں نیکی انسان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ ایسا انسان ہر طرح کی نیکی اور نیک لوگوں سے محبت کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ اس کے تمام خیالات کا مرکز بھی صرف اور صرف نیکی ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے ساتھ عمدہ سلوک کرے تو یہ اس کے احسان کو کبھی نہیں بھولتا۔ اس کے برعکس اگر کسی شخص نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہو تو کچھ عرصے بعد اسے بھلا دیتا ہے اور پھر اس زیادتی کا خیال بھی اسے نہیں آتا۔ یہاں تک کہ اگر کچھ عرصے کے بعد آپ اسے پرکھنے کی کوشش کریں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ اس کے دل میں کوئی کینہ یا بغض باقی نہیں ہے اور وہ بالکل اسی طرح خوش و خرم ہوگا جیسے اس کے ساتھ کبھی کوئی زیادتی نہیں ہوئی' اور یہی کیفیت بسط کا کمال ہے۔

(iii) ظاہری حواس کا کشادہ ہو جانا: یہ ایک ایسی لذت ہے جو حواس سے متعلق رگوں کو کشادہ کر دیتی ہے جس کے نتیجے میں حواس کو حاصل ہونے والے ادراک کی کیفیت ان رگوں میں بھی محسوس ہوتی ہے اور اسی لذت کے ذریعے بسط کامل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھنے کے حس میں ایک لذت پائی جاتی ہے جس کی بدولت انسان خوشنما چیزوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور نتیجے میں عشق اور یکسوئی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح سننے کی حس میں بھی لذت پائی جاتی ہے جس کی بدولت خوبصورت آوازیں اور بہترین نغمات کانوں میں رس گھولتے ہیں اور انسان وجد میں آ کر جھومنے لگتا ہے۔ اسی طرح دیگر تمام حواس میں بھی یہی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ ہر ایک حس میں کسی بھی شے کو محسوس کرنے کی صلاحیت کے ساتھ ایک اور مزید خوبی بھی پائی جاتی ہے جس کی بدولت انسان کسی عمدہ اور بہترین شے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

ظاہری حواس کی کشادگی ''حرف بسط'' کا جز ہے اور ظاہری حواس کا کمال ''حرف آدمیت'' کا جز ہے۔ ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ ظاہری حواس کی کشادگی کی صورت میں حواس سے متعلق رگیں کھل جاتی ہیں اور ان کے اندر کسی چیز سے لطف اندوز ہونے کی اضافی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر یہ اضافی صلاحیت موجود نہ ہو تو محض ادراک کے ذریعے انسان کسی چیز سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا جیسے بہت سے لوگ دیکھنے کی حس کی مدد سے بہت سے خوبصورت مناظر دیکھتے ہیں لیکن اس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور بہت سے لوگ بہت خوبصورت آوازیں سننے کے باوجود ان سے متاثر نہیں ہوتے۔ اس لئے ان رگوں کی کشادگی کی بدولت بسط میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

(iv) باطنی حواس کی کشادگی: اس میں بھی وہی کیفیت ہوگی جو سابقہ قسم میں بیان کی جا چکی ہے۔ فرق صرف یہ

ہے کہ ان کیفیات کا تعلق باطنی حواس کے ساتھ ہوگا۔

(v) بلند مرتبے کا حصول: کیونکہ انسان جس وقت حرفِ آدمیت اور حرفِ قبض کے اجزاء سے آراستہ ہو جائے اور اس کے اندر حرفِ بسط کے مذکورہ بالا چار اجزاء بھی موجود ہوں تو اسے اس بات کا احساس نصیب ہوتا ہے کہ اسے یہ تمام خصوصیات کسی خاص خوبی کے پیشِ نظر عطا کی گئی ہیں کیونکہ یہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی ہیں۔ اس لئے اس شخص کو یہ احساس ہوگا کہ وہ یقیناً کوئی منفرد اور نمایاں شخصیت کا مالک ہے۔ اس لئے ہر بڑے آدمی کو نہ صرف اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہئے بلکہ اسے اچھے کام انجام دینے کی کوشش کرنی چاہئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱- وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل، ۱۷:۸۰)

''اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

۲- لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین، ۹۵:۴)

''بے شک ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت میں پیدا فرمایا ہے۔''

لہٰذا جب انسان کو اس بات کا احساس ہوگا کہ وہ ایک بلند مرتبے کا مالک ہے تو اس کا بسط بھی کامل ہوگا۔

(vi) اچھے طریقے سے درگزر کرنا: لہٰذا ایسا شخص اپنے ساتھ ہونے والی ہر زیادتی اور ظلم سے درگزر کرے گا کیونکہ ہم نورانی بسط پر گفتگو کر رہے ہیں اس لئے اپنی قدر و منزلت کے احساس کے ساتھ دوسروں سے درگزر کرنے کا جذبہ بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی قدر و منزلت کا احساس کرتے ہوئے بھی دوسروں کے ساتھ زیادتی کرے گا تو اس کا اپنی قدر و منزلت کا احساس نورانی کی بجائے ظلمانی ہوگا اور ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق ہوگا۔ لہٰذا بسط کے ضروری اجزاء میں دوسروں سے درگزر کی صلاحیت بھی ایک بنیادی رکن ہے۔

(vii) تواضع: اسے بھی اسی سبب کے تحت اجزاءِ بسط میں شامل کیا گیا ہے جس سبب کی بدولت درگزر کرنے کو بسط کا حصہ بنایا گیا تھا۔ کیونکہ حرف بسط کا مالک بلند مرتبے کا حامل ہوتا ہے اس لئے اسے چاہیے کہ اپنے ہم جنس افراد کے ساتھ تواضع اور انکساری کا سلوک کرے کیونکہ اگر وہ خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کے اندر تکبر داخل ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق قرار پائے گا۔

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ حرفِ آدمیت، حرفِ قبض اور حرفِ بسط کے تمام اجزاء نبی اور غیر نبی، کافر اور مسلمان، ہر شخص میں پائے جاتے ہیں لیکن (انبیاء کرام میں بالعموم اور بالخصوص) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں یہ اجزاء اپنے مرتبہ کمال کی حد تک پائے جاتے ہیں اور یہ مرتبہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوتا۔ حرف آدمیت کے اجزاء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے شیطانی حصے کے اخراج سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

شرحِ صدر ہے اور عام افراد میں یہ تمام اجزاء صرف ایک خاص حد تک پائے جاتے ہیں۔ عام انسانوں میں شیطانی حصے کے اخراج سے مراد بے حیائی اور قباحت کا اخراج ہوگا تا کہ وہ شخص برے اخلاق سے محفوظ رہے۔ عام افراد کیلئے شق صدر ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ صرف نبوت کے خصائص میں سے ایک ہے۔ اسی طرح حرفِ قبض میں بلند ترین نورانی قبض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو اپنے اپنے مخصوص مرتبہ و مقام کے اعتبار سے اس نورانی قبض کا ایک محدود حصہ نصیب ہوتا ہے۔ کمال کسی کو بھی حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ انتہائی کمال صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے لیکن اگر کوئی شخص شریعت محمدیہ کے احکام کی پیروی نہیں کرتا' اس کا قبض ظلمانی ہوگا اور اس کی کیفیت' نورانی قبض کی تمام ترکیفیات کے برعکس ہوگی۔ یہ شخص شر سے لذت حاصل کرے گا اور خیر سے اسے تکلیف ہوگی۔ کسی بھی معاملے میں انصاف کا دامن تھامنا اس کیلئے ناممکن ہوگا کیونکہ جب یہ شخص برائی سے لذت اور نیکی سے تکلیف محسوس کرے گا تو یہ انصاف پر کس طرح کاربند رہ سکتا ہے۔ اسی طرح یہ شخص شر کی متضاد چیز ہر قسم کی بھلائی سے نفرت کرے گا اور یہی کیفیت دیگر تمام اجزاء قبض میں ہوگی اور یہ ظلمانی قبض کفار اور شیاطین کے اندر پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے بے شمار معجزات کا ظہور دیکھنے کے باوجود کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ عام مسلمانوں میں قبض کی دونوں اقسام کے بعض اثرات پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح بسط میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کمال کے انتہائی مرتبے پر فائز ہیں۔ قبض کی طرح بسط کی بھی دو قسمیں ہیں: بسط ظلمانی اور بسط نورانی۔ بسط نورانی وہ ہے جس میں تواضع اور درگزر کرنے کی خوبی موجود ہو اور اگر یہ دونوں خوبیاں مفقود ہوں تو پھر وہ بسط ظلمانی ہوگا۔

4-حرفِ نبوت:

(i) حق گوئی: حرفِ نبوت کا سب سے پہلا جز حق گوئی ہے اور یہ خصوصیت انسان کے وجود میں موجود اس نور کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے جو انسان کو حق گوئی پر مجبور کرتا ہے یہاں تک کہ یہ خصوصیت انسان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اور وہ حق کی خاطر اپنے ذاتی دوست احباب کی مخالفت کی بھی پرواہ نہیں کرتا' اپنا وطن چھوڑ دیتا ہے' یہاں تک کہ سر کٹانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ مشرکین مکہ نے اپنی پوری کوشش کی' ہر طرح کے حیلے آزمائے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق بات کے اظہار سے نہیں روک سکے۔ آخر کار وہ دشمنی میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ بھی بنا لیا لیکن اس تمام تر مخالفت کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ثابت قدم رہے کیونکہ حق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں داخل تھا اور یہ ناممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرتے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اس کے بعد سیّدی دباغ نے دو واقعات بیان کیے جن سے حق گوئی کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سیّدی دباغ فرماتے ہیں: عجم کے بعض شہروں میں گھروں کے دروازے پر سدھائے ہوئے

پرندے رکھنے کا رواج ہے۔ جیسے ہی کوئی چور گھر میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا تو وہ پرندہ فوراً چلائے گا: ''چور۔'' اگر اس پرندے کو ڈرانے کی کوشش کی جائے یا اس کے آگے کوئی چیز کھانے کیلئے ڈال دی جائے تو وہ پھر بھی چیخنے چلانے سے باز نہیں آئے گا اگرچہ اسے قتل ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) سیّدی دباغ نے اس واقعے کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حق گوئی کتنی اہم ہے اور اگر انسان اس کو اپنی سرشت کا حصہ بنا لے تو زندگی کے کسی بھی موڑ پر متزلزل نہیں ہوتا کیونکہ اگر ایک پرندہ اس بات کو اپنی فطرت بنا سکتا ہے تو ایک انسان اور وہ بھی بالخصوص بندہ مومن ایسا کیوں نہیں کر سکتا؟

(سیّدی دباغ نے دوسرا واقعہ یہ بیان کیا) ایک مرتبہ ایک مرید نے اپنے شیخ سے دریافت کیا: مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جس کی بدولت میں ہر حال میں خوش رہوں۔ شیخ نے جواب دیا: اگر تم یہ خصوصیت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی ایک صفت کو اپنا لو۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو قیامت کے دن تمہارا حشر اولیاء کرام کے ہمراہ ہوگا اور تم جہنم کے عذاب سے محفوظ رہو گے۔ مرید نے عرض کی: حضرت! یہ کیسے ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف بے شمار ہیں۔ شیخ نے فرمایا: تم کسی ایک صفت کو اختیار کر لو۔ مرید نے عرض کیا: مثلاً کون سی صفت؟ شیخ نے جواب دیا: ہمیشہ حق بات کہنا' تم ان لوگوں کی مانند ہو جاؤ جو ہمیشہ حق بات کہتے ہیں کیونکہ اگر تم نے ایسا کر لیا تو اللہ تعالیٰ تم پر خاص رحمت نازل فرمائے گا۔ مرید نے عہد کیا کہ وہ ہمیشہ حق بات کہے گا پھر وہ شیخ کی خدمت سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ اس مرید کے پڑوس میں ایک لڑکی رہتی تھی۔ ایک دن شیطان نے اسے ورغلایا اور اس نے اس لڑکی کے ساتھ زنا کر لیا۔ اگرچہ اس فعل میں لڑکی کی رضامندی شامل تھی لیکن بعد کی صورتحال کے اندیشے کے خوف سے اس لڑکی نے اپنے والد کے سامنے اس جرم کا اعتراف کر لیا۔ اس کے والد نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا۔ قاضی نے اس مرید سے دریافت کیا: تمہیں معلوم ہے۔ تمہارے پڑوسی نے تم پر کیا الزام عائد کیا ہے؟ مرید کو اپنے شیخ کے ساتھ کیا ہوا عہد یاد تھا' اس نے اعتراف کر لیا: میرا پڑوسی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ قاضی نے یہ سن کر کہا: اس شخص کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی عقل مند آدمی ایسی بات کا اقرار نہیں کرتا جس کے نتیجے میں اسے سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے اس لئے اسے پاگل خانے لے جاؤ۔ چنانچہ اس مرید کو پاگل خانے بھیج دیا گیا اور پھر کسی کی سفارش پر اسے وہاں سے بھی رہائی مل گئی۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) سیّدی دباغ کا مقصد یہ تھا کہ سچ بولنے کا انجام ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔

(ii) صبر: یہ ایک ایسا نور ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ کے راستے میں پیش آنے والی مشکلات کا انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ حقیقی صبر وہی ہے جس میں تکلیف کا احساس بھی نہ ہو کیونکہ صبر کرنے والے شخص کی عقل اور سوچ دونوں نہایت وسیع ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو ''فتح'' نصیب ہو چکی ہوتی ہے لہٰذا وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمالات کے مشاہدے میں مشغول رہتا ہے اور ان کمالات کی کوئی انتہا نہیں ہے اس لئے جب بھی جسم کو ظاہری طور پر کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو جسم اس تکلیف سے

توجہ ہٹا کر ان امور کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جو عقل کی توجہ کا مرکز ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ جو اپنے وقت کے غوث تھے انہیں چار افراد ظلماً قتل کرنے کی نیت سے ان کے گھر سے انہیں گھسیٹتے ہوئے اٹھا کر لے گئے۔ ان کے اہل خانہ چیختے چلاتے رہ گئے۔ ان ظالموں نے اس بزرگ کو شہید کر دیا لیکن وہ بزرگ اس وقت مشاہدہ حق میں مستغرق تھے اس لیے ان کی توجہ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی اور بیوی بچوں کی چیخ و پکار کی طرف مبذول نہ ہو سکی۔ صبر کی ایسی مثال ملنا مشکل ہے لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ایک ولی تھے۔ ان کے صبر کا یہ عالم تھا تو خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کی کیفیت کا عالم کیا ہوگا؟

اگر انسان کی ذات مجوب ہو تو عقل کا سارا نور جسم کے اندر جمع ہو جاتا ہے اور اسی میں پھنس جاتا ہے لہٰذا جب جسم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو یہ تکلیف زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ ایسی کیفیت میں انسان کو اگر ایک سلاخ سے داغا جائے تو اسے 100 سلاخوں کے ساتھ داغے جانے کے برابر تکلیف محسوس ہوتی ہے حالانکہ اگر آپ اسی سلاخ سے کسی ''صاحب فتح'' ولی کو داغ دیں تو ولی اس کی اذیت کو محسوس ہی نہیں کرے گا یا اگر محسوس کیا بھی تو ہلکی سی تکلیف کا احساس ہوگا۔

(iii) رحمت: یہ انسان کے وجود کے اندر موجود ایک ایسا نور ہے جس کے باعث انسان کے دل میں ساری مخلوق کیلئے مہربانی اور نرمی کا احساس بیدار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے پر جو رحمت نازل کرتا ہے اس کے نتیجے میں یہ نور انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر جتنی زیادہ رحمت فرمائے گا وہ بندہ دوسروں کیلئے اتنا ہی زیادہ مہربان ثابت ہوگا اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس ساری مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کیلئے سب سے بڑی رحمت ہیں۔ مخلوق کے ہر حصے، ہر گوشے، ہر جنس اور ہر نوع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا فیضان جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں چار امور کی طرف اشارہ کیا ہے:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ (یہ رسول اہل ایمان کیلئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ساری مخلوق (اور بطور خاص وہ لوگ) جنہیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہے وہ سب نور محمدی سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس نور کو بارگاہِ رب العزت میں مرتبہ و مقام کے اعتبار سے سب سے زیادہ قرب حاصل ہے۔ تیسری بات یہ کہ مذکورہ بالا نور جو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ مقرب ہے وہ اپنے تمام اسرار سمیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں پایا جاتا ہے اور چوتھی بات یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت اور طاقت عطا فرمائی ہے کہ وہ اس نور کو برداشت کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس نور کو برداشت کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف یا مشقت محسوس نہیں ہوتی اور اسی خصوصیت کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مخلوق پر فضیلت حاصل ہے۔

اس آیت میں دیگر بہت سے اسرار بھی موجود ہیں لیکن انہیں ظاہر کرنا مناسب نہیں ہے۔

(iv) اللہ تعالیٰ کی ویسی معرفت، جیسی ہونی چاہئے۔

(v) (اللہ تعالیٰ کا) مکمل خوف۔ مکمل خوف سے مراد یہ ہے کہ باطن کے ساتھ ظاہر میں بھی اللہ تعالیٰ کا خوف موجود ہو۔ انسان کی عقل اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے نتیجے میں یہ خوف پیدا ہوتا ہے۔ باطنی خوف جسم اور جسم کے ہر حصے میں پایا جاتا ہے کیونکہ ''جسم اور اس کے ہر ایک حصے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ہر مخلوق کے اندر اپنے خالق کا خوف موجود ہوتا ہے۔ یہ خوف ہر جاندار اور بے جان مخلوق کے اندر موجود ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۳- ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○ (حم السجدہ ۴۱:۱۱)

''پھر وہ سماوی کائنات کی طرف متوجہ ہوا تو وہ (سب) دھواں تھا، سو اُس نے اسے (یعنی آسمانی کروں سے) اور زمین سے فرمایا: خواہ باہم کشش و رغبت سے ناگزیری و ناگواری سے ہمارے نظام کے تابع آ جاؤ، دونوں نے کہا: ہم بخوشی سے حاضر ہیں۔''

ساری مخلوق کی اس اطاعت کا محرک یہی خوف تھا اور اسی خوف کی بدولت ہر مخلوق ہر وقت تسبیح میں مشغول رہتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۴- وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل ۱۷:۴۴)

''اور (جملہ کائنات میں) کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو۔''

یاد رکھیں! باطنی خوف ہر وقت موجود رہتا ہے۔ البتہ ظاہری خوف کا بنیادی سبب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا ہے۔ جب تک انسان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف مبذول رہے گی یہ خوف باقی رہے گا اور جیسے ہی توجہ منتشر ہوگی، خوف ختم ہو جائے گا۔ تاہم جس شخص پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہو اس کے سامنے سے ظاہری اور باطنی خوف کے درمیان موجود حجاب ہٹ جاتا ہے جس کے نتیجے میں، باطنی خوف کی طرح، ظاہری خوف بھی مستقل طور پر نصیب ہو جاتا ہے۔ اس وقت ظاہری خوف معرفتِ الٰہیہ سے مدد حاصل کرتا ہے کیونکہ معرفت الٰہیہ کی کوئی انتہا نہیں ہے اس لئے اس خوف کی بھی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ گویا اس عالم میں ظاہر باطن سے صفائی اور دوام حاصل کرتا ہے اور باطن ظاہر سے اضافہ اور فیض حاصل کرتا ہے۔ اسی کیفیت کو مکمل خوف کہا جائے گا۔ باطن میں ظاہر کے ذریعے اس لئے اضافہ ہوتا ہے کیونکہ باطن کا جسم کے ہر حصے کے ساتھ برابر کا تعلق ہے لیکن ظاہری خوف کا تعلق جسم کے مختلف حصوں کے ساتھ مختلف ہوتا ہے کیونکہ ظاہری خوف کا بنیادی سبب اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور معرفت کے اعتبار سے جسم کے مختلف حصوں کا حکم ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

(vi) باطل سے بغض رکھنا: یہ کیفیت انسان کے وجود کے اندر موجود اس نور سے پیدا ہوتی ہیں جو جسم میں ہر

وقت موجود رہتا ہے اور اس کا کام ہر وقت ظلمت کی طرف متوجہ رہنا اور بوقت ضرورت ہر طرح کی ظلمت کا مقابلہ کرنا ہے جیسے دو دشمن ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار رہتے ہیں۔ زندگی کے ہر لمحے میں باطل سے بغض رکھنا ''حرفِ نبوت'' کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

(vii) عفو: یہ کیفیت اس نور کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے جو انسان کے وجود میں ہر وقت موجود رہتا ہے اور اس نور کی فطرت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو یہ اسے فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، جو شخص اس سے لاتعلقی اختیار کرے یہ اس کے ساتھ تعلق مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جو شخص اس کے ساتھ زیادتی کرے یہ اس سے درگزر کرتا ہے۔ ایسا عفو ''حرف نبوت'' کے اجزاء میں سے ایک جز ہے لیکن اس کیفیت کو مستقل موجود ہونا چاہئے کیونکہ اس کا سبب سابقہ نور ہے جو ہر وقت انسان کے وجود میں موجود رہتا ہے لہٰذا عفو کا جذبہ بھی انسان میں ہمیشہ موجود رہنا چاہئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی کیفیت تھی۔

یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ نبوت کے خصائل سب سے زیادہ کامل طور پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حرفِ آدمیت، حرفِ قبض اور حرفِ بسط کے تمام اجزاء سب سے زیادہ کامل شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں موجود ہیں۔ لہٰذا جب یہ تمام اجزاء انتہائی کامل شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں موجود ہوں گے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتبہ نبوت بھی نصیب ہو تو ان تمام اجزاء کے انوار اپنی انتہائی شکل میں روشن ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا نبوت کے خصائل کے تین مرتبے ہوں گے:

پہلے مرتبے میں، حرفِ آدمیت، حرفِ قبض اور حرفِ بسط کے تمام اجزاء شامل ہوں گے جن کی تعداد مجموعی طور پر 21 ہے۔ دوسرے مرتبے میں مذکورہ بالا 21 اجزاء کے انوار کے ہمراہ 22 واں نور، صبر کا نور ہوتا ہے اور تیسرے مرتبے میں ان 22 انوار کے ہمراہ 23 واں نور، رحمت کا نور ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نور کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس میں موجود انوار کی مجموعی تعداد 24 ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ساری مخلوق پر حاوی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پروردگار کی جو معرفت حاصل ہے اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مختصر یہ کہ جب آپ مرتبہ نبوت پر غور کریں اور مذکورہ بالا تمام تشریحات کو سامنے رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا اندازہ لگانے کی کوشش کریں تو آپ بھی اسی نتیجے پر پہنچیں گے جو کسی شاعر (امام شرف الدین بوصیری نے قصیدہ بردہ شریف میں) یوں بیان کیا:

منزہٌ عن شریكٍ فی محاسنہٖ　　فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس محاسن (قابل تعریف عادات، خصائل) میں کسی کی شرکت (برابری وہم سری) سے پاک ہے کیونکہ آپ کی ذات میں جو حسن موجود ہے اسے تقسیم ہی

نہیں کیا جا سکتا (تو وہ کسی اور کو کیسے مل سکتا ہے؟)

5-حرفِ روح

(i) حرفِ روح کا پہلا جز انوار کو چکھنا (یعنی محسوس کرنا) ہے۔ یہ دراصل روح میں موجود ایک نور ہے جس کی بدولت ساری کائنات میں موجود اللہ تعالیٰ کے افعال کے انوار کو محسوس کیا جاتا ہے اور یہ انوار تقدیر کے فیصلے کے مطابق عالم علوی میں موجود ہوتے ہیں۔ روح کا چکھنا' جسم کے چکھنے سے مختلف ہے چونکہ روح کے چکھنے کا تعلق نور کے ساتھ ہوگا کیونکہ روح خود نور ہے جبکہ جسم کسی مادی چیز کو چکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے جیسے ہم شہد کی مٹھاس کو اسی وقت محسوس کر سکتے ہیں جب شہد کا مادی وجود ہماری زبان سے مس ہوگا لیکن اگر روح شہد کی مٹھاس کو محسوس کرنا چاہے تو اس کیلئے شہد کے مادی وجود کی موجودگی ضروری نہیں ہوگی بلکہ روح کے اندر موجود عقل اس سے مٹھاس کو محسوس کرے گی۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ جسم کے چکھنے کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ جس چیز کو چکھا جا رہا ہے وہ زبان کے ساتھ مس ہو لیکن روح کیلئے چیز کو چھونا شرط نہیں ہے۔ تیسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ ظاہری جسم میں صرف زبان کے ذریعے کسی چیز کا ذائقہ محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن روح کے جملہ اجزاء اس ذائقے کو محسوس کر سکتے ہیں۔ لہٰذا جب روح کوئی چکھنے والی چیز دیکھے گی مثلاً شہد تو شہد کو دیکھتے ہی اس کی مٹھاس کو محسوس کرے گی یا روح لفظ شہد سنے گی تو یہ لفظ سننے کے ساتھ ہی اسے شہد کی مٹھاس محسوس ہو جائے گی۔ اسی طرح جب روح لفظ جنت' رضوان یا رحمت سنے گی تو ان الفاظ کے سننے کے ساتھ ہی ان کے معنی اور مفہوم سے آگاہ ہو جائے گی۔ اسی طرح جب روح قرآن مجید کی تلاوت سنے گی تو سب سے پہلے اس کی حقانیت کے نور کو محسوس کرے گی اور پھر اس میں موجود دیگر تمام انوار کو محسوس کرنے میں مشغول ہو جائے گی جن کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ مختصر یہ کہ روح اپنے پورے جسم' جسم کے ہر ایک جز اور تمام تر حواس کے ذریعے کسی بھی چیز کو محسوس کر سکتی ہے تاہم بعض ارواح میں محسوس کرنے کی یہ صلاحیت کمزور ہوتی ہے اور بعض ارواح میں یہ کیفیت انتہائی طاقتور ہوتی ہے اور سب سے زیادہ طاقتور روح وہ ہے جس کے محسوس کرنے کی صلاحیت عرش' فرش بلکہ ساری کائنات پر محیط ہو اور یہ خصوصیت صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کو حاصل ہے کیونکہ یہ روح تمام ارواح کی سلطان ہے اور یہ روح' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس میں پوری رضامندی' محبت اور قبولیت کے ساتھ سکونت پذیر ہو چکی ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس اور روح مبارکہ کے درمیان موجود تمام حجابات اٹھا لئے گئے ہیں' اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کے جملہ کمالات جسم اقدس کو بھی حاصل ہیں اور یہ ایک ایسا کمال ہے جس سے بڑا اور کوئی کمال نہیں ہو سکتا۔

(ii) طہارت: یعنی روح اسی طرح پاک و صاف ہو جیسے پیدائش کے وقت پاک تھی۔ طہارت کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم طہارتِ حی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ روح ایک نور ہے اور نور نہایت پاک و صاف ہوتا ہے۔

طہارت کی دوسری قسم معنوی طہارت ہے یعنی ظاہری اور باطنی معرفت کا حصول' اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مخلوق اپنے خالق کو پہچانتی ہے خواہ وہ مخلوق ناطق ہو یا خاموش' متحرک ہو یا جامد ہر مخلوق کے ہر ایک جز میں اپنے خالق کی باطنی معرفت موجود ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ جس شخص پر اپنا خاص فضل و کرم نازل کرے اس کیلئے اس کا ظاہر بھی' اس کے باطن کی مانند ہو جاتا ہے اور اس کے ظاہری جسم کے تمام اجزاء اپنے پروردگار کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں اور یہ معرفت کا بلند ترین درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو یہ صلاحیت عطا کی ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے واقف ہیں لیکن روح کی صفائی کے اعتبار سے یکساں ہونے کے باوجود ارواح کے درمیان تفاوت پایا جاتا ہے کسی روح کا حجم بڑا ہوتا ہے اور کسی روح کا حجم چھوٹا ہوتا ہے اور بلاشبہ جس روح کا حجم جتنا بڑا ہوگا اور اس کے جواہر (اجزاء) اسی قدر زیادہ ہوں گے اور اسے اسی قدر زیادہ معرفت نصیب ہوگی۔ لہٰذا تمام تر ارواح میں سب سے بڑا حجم اور سب سے زیادہ مرتبہ و مقام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کو حاصل ہے کیونکہ یہ ساری زمینوں اور تمام آسمانوں میں موجود ہے لیکن اس کے ساتھ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس میں موجود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک نے اس روح کے تمام تر اسرار کو اپنے اندر جذب کر رکھا ہے۔ اللہ کی وہ ذات ہر عیب سے پاک ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو یہ صلاحیت عطا کی ہے۔

جب کوئی روح کسی جسم میں اپنی پوری رضامندی اور پسند کے ساتھ فروکش ہو جائے تو جسم اور روح کے درمیان موجود حجاب کو اٹھا دیا جاتا ہے اور جسم روح سے حسی اور معنوی صفائی حاصل کرتا ہے۔ جب جسم کو حسی صفائی نصیب ہو جائے تو اس کے نتیجے میں جسم میں موجود خون بھی صاف ہو جاتا ہے۔ خون کی صفائی چار صورتوں میں حاصل ہوتی ہے: خون ہلکا ہو جاتا ہے اور اس کا وزن کم ہو جاتا ہے کیونکہ جب خون کا وزن زیادہ ہوگا تو اس کے اندر خباثت زیادہ ہو جائے گی اور شہوانی خواہشات زیادہ پیدا ہوں گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خون کی بو صاف ہو جاتی ہے اس کی علامت یہ ہے کہ خون میں سے گوندھے ہوئے آٹے کی سی مہک محسوس ہوتی ہے لیکن خبیث خون سے بدبودار کیچڑ کی بو محسوس ہوتی ہے۔ تیسری صورت خون کے رنگ کی صفائی ہے کیونکہ خبیث خون کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے جبکہ صاف خون کا رنگ زردی مائل ہوتا ہے۔ چوتھی صورت خون کے ذائقے کی تبدیلی ہے کیونکہ صاف خون کا ذائقہ میٹھا محسوس ہوتا ہے جبکہ خبیث خون کا ذائقہ کسی جلی ہوئی چیز کی مانند محسوس ہوتا ہے۔

خون کے صاف ہو جانے کے بعد اس میں سے تمام تر شیطانی اثرات خارج ہو جاتے ہیں' شہوت اور گناہ کی تاریکی منقطع ہو جاتی ہے اور پھر جب یہ صاف خون جسم کی دوسری رگوں تک پہنچتا ہے تو وہ تمام رگیں بھی صاف ہو کر شیطانی اثرات اور شہوانی خواہشات سے پاک ہو جاتی ہیں۔ جب جسم کو یہ حسی صفائی حاصل ہو جائے

تو معنوی صفائی کے حصول کیلئے روح اس کی مدد کرتی ہے۔ یہاں تک کہ جسم کے ہر ایک جز کو اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو جاتی ہے اور کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ پر حاوی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کو روح مبارکہ کے تمام اسرار حاصل ہیں۔

(iii) تمیز: یہ روح میں موجود ایک خاص نور ہے جس کی مدد سے روح کسی بھی چیز کی حقیقت کو مکمل طور پر پہچان لیتی ہے اور اس پہچان کیلئے روح کو باقاعدہ طور پر کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ محض کسی چیز کو دیکھ کر یا اس کا نام سن کر روح اس سے متعلق تمام امور سے واقف ہو جاتی ہے کہ یہ چیز کیا ہے؟ اس کے احوال کیا ہیں؟ اس کا آغاز اور انجام کیا ہے؟ یہ کہاں پائی جاتی ہے؟ اس کا مقصد تخلیق کیا ہے؟ وغیرہ، پھر تمیز کی اس صلاحیت کے اندر ارواح کی کیفیات مختلف ہیں۔ بعض ارواح میں یہ صلاحیت مضبوط اور بعض ارواح میں خاصی کمزوری ہوتی ہے البتہ یہ صلاحیت سب سے زیادہ قوی شکل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کے سامنے کائنات کا کوئی بھی گوشہ محجوب نہیں ہے۔ اسے عرش، اس کی بلندی، اس کا نچلا حصہ، دنیا، آخرت، جنت، دوزخ سب کی اطلاع حاصل ہے کیونکہ یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہی پیدا کیا گیا ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صلاحیت تمام جہانوں پر محیط ہے۔ کس جہان کو کہاں سے، کب اور کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ ہر آسمان کا مخصوص وجود کہاں ہے؟ کون سا فرشتہ کون سے آسمان سے تعلق رکھتا ہے؟ فرشتوں کو کب، کہاں اور کیوں پیدا کیا گیا؟ یہ اس وقت کہاں موجود ہیں؟ ان کے مراتب کے درمیان کیا اختلاف ہے؟ ان کا سب سے بلند ترین درجہ کون سا ہے؟

70 حجابات اور ہر حجاب میں موجود ہر فرشتے سے متعلق جملہ معلومات، آسمان میں موجود جملہ اجرامِ فلکی، سورج چاند، ستارے ان کے علاوہ لوح، قلم، برزخ، ارواح، ان کے بارے میں جملہ معلومات، سات زمینیں، ان میں موجود جملہ مخلوقات، خواہ وہ خشکی پر بستی ہوں یا سمندروں میں رہتی ہوں۔ ان سے متعلق جملہ معلومات، جنت کے درجات، جنتیوں کی تعداد، ان میں سے ہر ایک کا مخصوص مقام غرضیکہ کائنات کے ہر حصے سے متعلق ہر چیز کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ لیکن اس قدر وسیع معلومات کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مبارک اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی نہیں ہو سکتا کیونکہ علم الٰہی کی کوئی انتہا نہیں ہے (جبکہ کائنات سے متعلق تمام تر معلومات محدود حیثیت کی مالک ہیں) علم الٰہی کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے اسرار کے ساتھ ہے جن کی کوئی انتہا نہیں ہے اور ان اسرار کی معلومات کا ساری کائنات کی معلومات سے کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

جب روح کو جسم سے محبت ہو جاتی ہے تو تمیز کی یہ روحانی خصوصیت جسم کو بھی حاصل ہو جاتی ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کو حاصل شدہ مذکورہ بالا تمام تر معلومات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم

مبارک کو بھی حاصل ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہر عیب سے پاک ہے جس نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مرتبہ و مقام عطا کیا ہے۔

(iv) بصیرت: اس سے مراد ہے سمجھنے کی صلاحیت یعنی یہ روح کے تمام اجزاء کے اندر اس طرح سرایت کر جائے جیسے تمام حواس مثلاً دیکھنے، سونگھنے، چکھنے، سننے وغیرہ کی صلاحیت روح کے ہر جز کو حاصل ہوتی ہے، روح کا ہر جز جانتا ہے، دیکھ سکتا ہے، سونگھ سکتا ہے، سن سکتا ہے وغیرہ۔ چنانچہ روح ہر سمت میں دیکھ سکتی ہے اسی طرح روح کے دیگر تمام حواس ہر سمت میں کام کر سکتے ہیں۔ جب روح اور جسم کے درمیان سے حجابات ہٹا دیئے جاتے ہیں تو ان تمام حواس میں روح جسم کی مدد کرتی ہے۔ لہٰذا جسم بھی چاروں طرف دیکھ سکتا ہے بلکہ جسم کا ہر جز ہر طرف دیکھ سکتا ہے، سن سکتا ہے، سونگھ سکتا ہے۔ روح کی ہر صلاحیت جسم کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ اور جسم اقدس کے درمیان موجود حجاب کو پہلی مرتبہ اس وقت ہٹایا گیا جب بچپن میں ''شق صدر'' کا واقعہ پیش آیا۔ اسوقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو وہ تمام معلومات اور کمالات حاصل ہو گئے جو روح مبارکہ کو حاصل تھے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے بھی اسی طرح دیکھ سکتے تھے جیسے اپنے سامنے دیکھ سکتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا تھا:

اقیموا رکوعکم و سجودکم فانی اراکم من خلفی کما اراکم من امامی

''رکوع اور سجود ٹھیک طرح سے ادا کیا کرو کیونکہ میں اپنے پیچھے موجود تمہیں اسی طرح دیکھ سکتا ہوں جیسے اپنے سامنے موجود کسی چیز کو دیکھ سکتا ہوں۔''

(v) عدم غفلت: اس کا مفہوم یہ ہے کہ روح کو جس قدر علم حاصل ہے اس سارے علم سے غفلت، سہو اور نسیان ختم ہو جائے کیونکہ ان تینوں صورتوں میں جہالت لازم آتی ہے۔ روح کو بتدریج معلومات حاصل نہیں ہوئی تھیں بلکہ ایک لمحے کے اندر اسے تمام تر معلومات نصیب ہو گئی تھیں۔ نیز روح کا علم ایسا نہیں ہے کہ اگر وہ کسی ایک چیز کی طرف متوجہ ہو تو دوسری سے غافل ہو جائے بلکہ جب روح کسی ایک چیز کی طرف توجہ کرتی ہے تو اسے دیگر بہت سی معلومات بھی حاصل ہو جاتی ہیں لیکن ان معلومات کے حصول کی طرف شعوری توجہ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ روح کو فطری طور پر علوم حاصل ہوتے ہیں اس لئے پیدائش کے فوراً بعد اسے جملہ معلومات حاصل ہو جاتی ہیں اور پھر یہ معلومات ہمیشہ اس کے پاس موجود رہتی ہیں۔ یہ خصوصیت ہر روح کو حاصل ہے۔ تاہم ارواح کی معلومات کی مقدار کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ بعض ارواح کی معلومات بہت زیادہ ہوتی ہیں اور بعض ارواح کی معلومات محدود ہوتی ہیں۔ علم کی وسعت اور نظر کی قوت کے اعتبار سے سب سے بڑی روح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ ہے کیونکہ یہ تمام ارواح کی پیشوا ہے۔ اسی لیے پیدائش کے فوراً بعد اسے ساری کائنات کے بارے میں جملہ معلومات فوراً

بیک وقت حاصل ہوگئی تھیں اور پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ اور جسم اطہر کے درمیان موجود حجاب ہٹ گیا تو جسم مبارک کو بھی یہ تمام علوم حاصل ہو گئے لیکن جسم کو حاصل ہونے والی معلومات، روح کے علم سے مختلف ہیں کیونکہ روح کو یہ تمام تر معلومات بیک وقت حاصل ہوگئی تھیں لیکن جسم مبارک کو یہ تمام تر معلومات بتدریج حاصل ہوئی ہیں۔ اس لیے جسم مبارک جب کسی چیز کی طرف متوجہ ہوگا تو اسے اس چیز کے بارے میں جملہ معلومات سامنے دکھائی دیں گی۔ اگر توجہ نہ ہو تو معلومات بھی سامنے سے ہٹ جائیں گی۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے جس چیز کی طرف توجہ مبذول ہوتی جائے گی اس سے متعلق معلومات سامنے آتی چلی جائیں گی۔ یہاں تک کہ تمام تر معلومات جسم مبارک کے سامنے آ جائیں گے۔ بیک وقت حصول کی جو صلاحیت روح کو حاصل ہے وہ جسم کو حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح عدم غفلت کے اعتبار سے بھی جسم اور روح کے درمیان فرق پایا جاتا ہے یعنی جب توجہ کسی چیز کی طرف مبذول ہوگی تو اس وقت اس چیز کے بارے میں غفلت یعنی نسیان یا سہو لاحق نہیں ہوں گے لیکن اگر جسم کی توجہ کسی چیز کی طرف مبذول نہ ہو (بلکہ جسم مشاہدہ حق میں مستغرق ہو) تو اس وقت جس چیز کی طرف توجہ مبذول نہیں ہے اس میں سہو یا نسیان طاری ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں منقول ایک روایت کے مطابق جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے دوران سہو لاحق ہوا اور صحابہ کرامؓ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سہو کی طرف مبذول نہیں کروائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی۔

''میں ایک انسان ہوں اور تمہاری طرح میں بھی بھول سکتا ہوں، اگر کبھی میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کروادیا کرو۔''

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اللہ تعالیٰ سیّدی دباغ پر اپنا خاص لطف و کرم نازل کرے۔ آپ نے شریعت اور حقیقت دونوں کے حقوق کو سامنے رکھتے ہوئے اس حدیث کی وضاحت کر دی ہے۔ ایک اور روایت یوں منقول ہے۔

انی لا انسی ولکن انسی لاسن

''میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ مجھے بھلا دیا جاتا ہے تاکہ دوسرے رہنمائی حاصل کر سکیں۔''

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) علامہ ابن عبدالبر اندلسی (اپنی تصنیف) ''التمہید'' (جو موطا امام مالک کی شرح ہے) میں، حافظ ابن حجر عسقلانی (اپنی تصنیف) ''فتح الباری'' میں (جو صحیح بخاری کی شرح ہے) اور امام جلال الدین سیوطی، موطا امام مالک کے حاشیے میں تحریر کرتے ہیں اس روایت کی کوئی بھی سند مستند نہیں ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس روایت کی تردید کیلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمان کافی ہے: ''میں بھی ایک انسان ہوں اور تمہاری طرح میں بھی بھول سکتا ہوں'' کیونکہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی طرف

بشریت ہی کو منسوب نہیں کیا بلکہ اپنے نسیان کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نسیان سے تشبیہہ بھی دی ہے۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) ساری بحث آپ ''فتح الباری'' میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

(vi) کسی چیز میں سرایت کر جانے کی قوت: اللہ تعالیٰ نے روح کو یہ قوت عطا کی ہے کہ وہ کسی بھی جسم کے اندر داخل ہو سکتی ہے۔ خواہ وہ جسم پہاڑ، پتھر، چٹان یا دیوار کی صورت میں موجود ہو اور جب روح کسی جسم کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور اس جسم سے محبت کرنے لگتی ہے تو پھر وہ اس جسم کی مدد کرتی ہے اور وہ جسم بھی وہی کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے جو روح کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے انہیں گرفتار کرنا چاہا تو آپ ایک درخت کے تنے کے اندر داخل ہو گئے کیونکہ آپ کی روح نے آپ کے جسم کو بھی یہ صلاحیت دیدی تھی کہ وہ جسم، کسی بھی جسم میں داخل ہو سکے، اولیاء کرام کی وہ تمام تر کرامات جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دروازے سے گزرے بغیر کسی مکان کے اندر داخل ہو گئے تو ان کرامات کی بھی یہی توجیہہ ہوگی۔ اسی طرح وہ تمام واقعات جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی ولی نے ایک قدم مشرق میں رکھا اور دوسرا مغرب میں، اس کی بھی یہی توجیہہ ہوگی کیونکہ انسانی جسم اتنی تیزی کے ساتھ حرکت نہیں کر سکتا۔ اگر جسم اتنی تیزی سے حرکت کرے گا تو ہوا اس کو توڑ پھوڑ کر اس کے اعضاء کو ریزہ ریزہ کر دے گی اس کے جسم میں موجود خون اور رطوبتیں خشک ہو جائیں گے۔ البتہ اگر روح جسم کی مدد کرے تو جسم اتنی تیزی سے حرکت کر سکتا ہے۔ واقعہ معراج کی بھی یہی توجیہہ ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کی مدد کی جس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمحے کے اندر معراج کا سفر مکمل کر کے واپس تشریف لے آئے۔

(vii) حرف روح کا ساتواں جزیہ ہے کہ جن امور کے ذریعے جسم کو تکلیف ہوتی ہے روح ان کو محسوس نہیں کرتی مثلاً گرمی، سردی، بھوک، پیاس اسی طرح کسی چیز کی سختی یا گندگی بھی روح پر اثر انداز نہیں ہوتی البتہ فرشتے گندگی سے تکلیف محسوس کرتے ہیں کیونکہ فرشتے خوشبو کو پسند اور بدبو کو ناپسند کرتے ہیں۔ اگر روح میں عدم احساس کی یہ صلاحیت نہ ہوتی تو روح ایک لمحے کیلئے بھی جسم میں موجود نہیں رہ سکتی تھی۔

یہ وہ سات امور ہیں جن کا تعلق ہر روح کے ساتھ ہے اسی لیے ہم نے انہیں روح کے اجزاء قرار دیا ہے۔ تاہم اس سے پہلے ہم اس بات کی وضاحت بیان کر چکے ہیں کہ ارواح کی صلاحیت کے درمیان فرق موجود ہوتا ہے اور سب سے بلند مرتبے کی مالک روح، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ ہے اور ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ مذکورہ بالا ساتوں صفات جس قدر کامل طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کو حاصل ہیں اتنی کسی اور روح کو حاصل نہیں ہیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کے تمام اوصاف، جسم مبارک کو بھی حاصل ہیں لہٰذا جب ان ساتوں انوار کو سابقہ صفحات میں ذکر شدہ، حرف آدمیت، قبض، بسط اور نبوت کے اجزاء کے انوار سے ملایا جائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں انوار کی مجموعی تعداد 35 ہو جائے گا۔

6-حرف علم:

اس سے مراد وہ علم ہے جو پاکیزگی اور صفائی کے انتہائی درجے تک پہنچ چکا ہو اور اس میں وہ سات صفات پائی جاتی ہوں جن کا ذکر آئندہ سطور میں کیا جائے گا۔ اس سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ علم عقل کا نور ہے اور عقل روح کا نور ہے اور روح جسم کا نور ہے۔ اس سے پہلے ہم اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ جب جسم اور روح کے درمیان موجود حجابات زائل ہو جائیں تو روح کے تمام تر انوار جسم کو بھی نصیب ہو جاتے ہیں اس لئے روح کی طرح جسم کو بھی نور عقل نصیب ہو جائے گا جو درحقیقت علم ہی ہے۔ آئندہ سطور میں علم کے جن سات انوار کا ذکر کیا جائے گا۔ روح ان انوار سے متصف ہوتی ہے بلکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ روح کو اس سے بھی زیادہ انوار نصیب ہوتے ہیں۔

(i) حرف علم کا سب سے پہلا جز معلومات کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت ہے۔ یہ صلاحیت علم میں موجود ایک نور ہے جس کی مدد سے تمام حواس کے ذریعے حاصل کی ہوئی معلومات کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ کسی حس میں کسی چیز کے بارے میں جو چیز محسوس ہوتی ہے اس کی مثال ایک سائے کی مانند ہے (جس کا کوئی وجود نہیں ہوتا) لیکن حس کے ذریعے حاصل ہونے والی معلومات جب اس نور تک پہنچتی ہیں تو وہ ایک شے کی شکل اختیار کر کے (محفوظ ہو جاتی ہیں) اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حس کا ادراک خیالی ہوگا اور نور کا ادراک حقیقی ہوگا۔ عام طور پر لوگ اس کے برعکس خیال کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا علم محدود ہوتا ہے۔ اصل علم کے مقابلے میں انہیں صرف ایک بال کے برابر علم عطا کیا جاتا ہے' جب ان کا علم محدود ہوتا ہے تو پھر وہ حواس پر اعتماد کرنا شروع کر دیتے ہیں لیکن جسے اللہ تعالیٰ نے علم کامل عطا کیا ہو اس کے نزدیک علم کامل کے مقابلے میں حواس کی حیثیت خیال کی سی ہوگی۔ بالفرض ایک شخص' ایک گھر بناتا ہے اور اس کی تعمیر کے دوران ہر چھوٹا بڑا کام خود کرتا ہے۔ خود ہی مٹی جمع کر کے ان کی اینٹیں بنا کے انہیں پکاتا ہے' پتھر لا کے ان کا چونا بناتا ہے۔ لکڑی کاٹ کر' لا کے اس کے دروازے اور کھڑکیاں بناتا ہے۔ اس سارے کام میں وہ کسی کی کوئی مدد حاصل نہیں کرتا۔ تعمیر کے دوران ہر کام اس نے اپنی پسند کے مطابق کیا ہو اور گھر کے ایک ایک حصے اور کونے کا نقشہ اس کے ذہن میں نقش ہو اب وہ کچھ دن کیلئے کہیں چلا جاتا ہے۔ واپسی پر اس کے ہمراہ ایک اور شخص بھی ہوتا ہے۔ تب یہ دونوں حضرات اس گھر کو دیکھنے کے حوالے سے برابر کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن گھر بنانے والے اور اجنبی کے دیکھنے میں زمین آسمان کا فرق ہے کیونکہ بنانے والا اس گھر کے ہر ایک حصے' کونے' ان میں موجود پتھر اور اینٹوں' ان پتھروں اور اینٹوں کے بنانے کی کیفیت غرضیکہ اسی طرح کی تمام جزوی معلومات سے واقف ہوگا اور اس کا علم اس گھر کے ظاہر اور باطن دونوں پر محیط ہوگا لیکن اس گھر کو دیکھنے والے دوسرے شخص کی معلومات کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہوگا۔

بالکل یہی کیفیت علم کامل کی ہے کیونکہ علم کامل ہر چیز کے ظاہر و باطن' ان کے اجزاء' اجزاء کی تفصیلات اور

ان تفصیلات کی تفصیلات سے بھی آگاہ ہوگا لیکن بصارت کا تعلق صرف ظاہری سطح تک ہوگا۔ بصارت کبھی بھی باطن تک نہیں پہنچ سکتی۔ ہم نے بطور مثال یہ بات بیان کی ہے اور یہ کوئی تحقیقی مثال بھی نہیں ہے کیونکہ علم کامل صرف اسی شخص کو نصیب ہوسکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہو اور علم کامل کی حقیقت تک مثالوں کے ذریعے نہیں پہنچا جا سکتا۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے دریافت کیا: اشیاء (کی معلومات) علم کامل (کے نور) میں کیسے حاصل ہوتی ہیں؟ سیّدی دباغ نے جواب دیا: اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ علم کامل کے نور کی مثال ایک لیٹر صاف پانی کی ہے جو بالکل صاف شفاف ہے اور اس میں کسی بھی چیز کی کوئی ملاوٹ نہیں ہے پھر ہم اس میں مزید ایک لیٹر پانی ملا دیتے ہیں لیکن یہ دوسرا پانی مختلف قطرات کا مجموعہ ہے ان میں سے کوئی ایک قطرہ نمکین ہوگا تو دوسرا میٹھا ہوگا' کوئی کڑوا ہوگا اور کوئی ترش ہوگا' کوئی ٹھنڈا ہوگا اور کوئی گرم ہوگا وغیرہ۔ اب اگر یہ پانی صاف پانی میں ڈال دیا جائے تو دونوں مل کر ایک جیسے ہو جائیں گے اور ایک ہی پانی کی شکل اختیار کر جائیں گے۔ پہلے والے پانی کی مثال علم کی مانند ہے اور دوسرے پانی کی مثال معلومات کی مانند ہے کیونکہ معلومات ہمیشہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے دریافت کیا: کیا یہ تمام قطرات مل کر ایک دوسرے میں خلط ملط ہو جاتے ہیں یا انہیں ایک دوسرے سے ممتاز کیا جا سکتا ہے؟ سیّدی دباغ نے جواب دیا: خلط ملط ہو جاتے ہیں پھر آپ نے تھوڑا سا پانی لے کر ارشاد فرمایا: ہم فرض کر لیتے ہیں کہ یہ ایک لیٹر پانی علم کا نور ہے پھر آپ نے ایک قطرہ اس میں ٹپکا کر ارشاد فرمایا: یہ قطرہ ایک قسم کی معلومات کے مترادف ہے پھر مجھ سے دریافت کیا: کیا یہ قطرہ (یعنی معلومات) اس پانی (یعنی نور علم) کا حصہ نہیں بن گیا؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! اس کے بعد آپ یکے بعد دیگرے قطرات اس میں ٹپکاتے گئے اور اپنا یہی سوال دہراتے گئے؟ اور میں ہر بار اقرار کرتا رہا۔ آخر آپ نے فرمایا: علم کا نور آغاز میں معلومات سے خالی ہوتا ہے اور پھر اس میں بتدریج معلومات جمع ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ معلومات میں اضافے کے ساتھ علم کے نور میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور جس طرح معلومات کی کوئی انتہا نہیں ہے اسی طرح نور علم کی بھی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔ گویا نور علم کی مثال معلومات کیلئے ایک غلاف کی مانند ہے۔ غلاف کے اندر موجود جسم جتنا چھوٹا ہوگا غلاف بھی اتنا ہی چھوٹا ہوگا۔ اور غلاف کے اندر موجود چیز جتنی زیادہ ہوگی غلاف بھی اتنا ہی بڑا ہوگا اور نور علم کے غلاف کی کیفیت یہ ہے کہ آغاز میں یہ اس قدر چھوٹا ہوتا ہے کہ اس میں کوئی ایک معلوم (شے) ہی سما سکتی ہے لیکن جب دوسری معلومات کا اضافہ ہوتا ہے تو یہ پھیلتا چلا جاتا ہے اور پھر اس کے پھیلاؤ کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔

(ii) حرف علم کا دوسرا بنیادی جز یہ ہے کہ علم کو ضائع نہ کیا جائے۔ یہ خصوصیت علم کے اندر موجود ایک خاص قسم کا نور ہوتا ہے جس کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ علم کا نور صرف مستحق فرد تک پہنچے۔ لہٰذا یہ نور علم کو نا اہل لوگوں تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ اول تو یہ نور علم کو کسی نا اہل تک پہنچنے ہی نہیں دیتا اور اگر بالفرض غلطی سے علم کا نور کسی نا اہل تک پہنچ جائے تو یہ نور اسے واپس کھینچ لیتا ہے اور نا اہل کے پاس علم کے نور کو موجود نہیں رہنے دیتا۔

یہی وجہ ہے کہ جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرمایا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے علوم کے انوار خارج ہوتے تھے۔ برے اور نیک' مومن اور منافق' ہر طرح کے لوگ اس بیان کو سنتے تھے لیکن کسی بھی برے یا منافق شخص کے پاس اس علم کا نور نہیں ٹھہرتا تھا اور نہ ہی ان کے دل پر اثر انداز ہوتا تھا اور مذکورہ بالا نور' علم کے نور کو واپس اس کی اصل یعنی ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے آتا تھا۔ جہاں تک اہل محبت اور اہل ایمان کا تعلق ہے تو کیونکہ ان کا باطن حکمت اور بھلائی کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا اس لئے علم کا نور ان کے اندر برقرار رہتا تھا۔ ان حضرات کی اہلیت کی طرف قرآن نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (الفتح' ۲۶:۴۸)

''وہ اس کے زیادہ حقدار اور اہل ہیں۔''

لہٰذا علم کی دو قسمیں ہوں گی: ایک پاکیزہ جس کا نور سفید ہوگا' اور دوسرا ناپاک جس کا نور نیلا ہوگا۔ اب اگر ہم یہ فرض کریں کہ چار افراد ہیں جن میں سے ایک کا علم پاک اور مکمل ہے۔ دوسرے کا پاک تو ہے لیکن تعداد میں کم ہے۔ تیسرے کا علم ناپاک ہے اور مکمل ہے اور چوتھے کا علم ناپاک بھی ہے اور نامکمل ہے۔ فرض کریں یہ چاروں اشخاص ایک جگہ پر اکٹھے ہو جاتے ہیں تو وہاں جس شخص کا علم پاک لیکن تعداد میں کم تھا وہ پاک اور مکمل علم والے شخص سے استفادہ کرے گا۔ اس کے برعکس جس کا علم ناپاک اور کم تھا وہ اس شخص سے استفادہ کرے گا جس کا علم ناپاک اور مکمل ہے۔ ناپاک علم والا' پاک علم والے سے اور پاک علم والا' ناپاک علم والے سے استفادہ نہیں کرے گا کیونکہ دونوں کی جنس ایک دوسرے سے مختلف ہے اور علم کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ضائع نہیں ہوتا اسی لئے کوئی بھی علم کسی مخالف جنس والے کے پاس نہیں ٹھہر سکتا۔

(iii) حرف علم کا تیسرا جز یہ ہے کہ حیوانات اور جمادات کی زبانوں اور آوازوں کی معرفت حاصل ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کامل میں ہر چیز کے حقائق' ذاتیات' لوازم اور عوارض کا علم بھی حاصل ہو جاتا ہے اور کسی چیز کی آواز یا زبان اس شے کے عوارض کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے یہ ناممکن ہے کہ عوارض کا علم حاصل ہو جائے لیکن عوارض کے ذریعے پیدا ہونے والی کسی چیز کا علم نہ ہو پھر اشیاء کی دو قسمیں ہیں: حیوانات اور جمادات' جمادات کی بھی مخصوص آواز ہوتی ہے' جیسے پانی کے چلنے کی آواز' دروازہ کھلتے وقت کی آواز' ایک پتھر کے دوسرے پتھر سے ٹکرانے کی آواز' علم کامل کا مالک شخص ان آوازوں کو سن کر ان کے مفہوم سے واقف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حیوانات کی بھی دو قسمیں ہے: حیوان ناطق اور حیوان غیر ناطق' حیوان ناطق سے مراد انسان ہے جبکہ غیر ناطق کی دو قسمیں ہوں گی: پرندے اور جانور' ان میں سے ہر ایک کی اپنی مخصوص بولی ہوتی ہے اور علم کامل رکھنے والا شخص ان میں سے ہر ایک کی بولی کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اس بارے میں سیّدی دباغ نے بہت سی حکایات بیان کی ہیں جن میں سے

چند ایک کا ذکر اس کتاب میں کیا جائے گا۔ سیّدی دباغ فرماتے ہیں: جمادات جیسے دیوار، گھر، جنگل، میدان، پہاڑ، درخت وغیرہ کی آواز کو صرف اللہ تعالیٰ جان سکتا ہے۔ تاہم بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی نبی کے معجزے یا ولی کی کرامت کی شکل میں اسی آواز کو ظاہر بھی فرما دیتا ہے۔

(iv) حرف علم کا چوتھا جز یہ ہے کہ کسی بھی چیز کے انجام سے آگاہی حاصل کی جائے۔ اس سے پہلے حرف روح کے اجزاء میں ہم نے یہ بات بیان کی تھی کہ روح کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اشیاء کی حقیقت کے درمیان فرق جان سکتی ہے اور اس نور کے نتیجے میں بعض اشیاء دیگر اشیاء سے ممتاز ہو جاتی ہیں اور جب یہ اشیاء اپنی انتہا تک پہنچ جائیں گی تو اس مقام پر روح کے اس نور کا کام ختم ہو جائے گا۔ اور حرف علم کے اس جز کے کام کا آغاز ہوگا کہ ہر چیز کے انجام سے متعلق تمام تفصیلات سامنے دکھائی دیں گی، انجام کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ وہ موجودات جن کا وجود آخرت میں باقی نہیں رہے گا اور دوسری وہ موجودات جن کا وجود آخرت میں باقی رہے گا حرف علم کے اس جز کے ذریعے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ فنا ہونے والی چیز کا انجام کب اور کس صورت میں ہوگا؟ کس طرح یہ بتدریج اپنے انجام کی طرف بڑھتی ہوئی فنا کے گھاٹ اتر جائے گی؟ فنا کا مقام کیا ہوگا؟ اس کے اسباب کیا ہوں گے؟ وغیرہ گویا علم کامل رکھنے والا شخص کسی بھی چیز کے انجام کو بخوبی ملاحظہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح جو موجودات آخرت میں باقی رہیں گی حرف علم کے اس جز کے ذریعے جنت یا جہنم میں اس کے مرتبہ و مقام سے بھی آگاہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اس کی تفصیل بہت طویل ہے ہو سکتا ہے کہ ہم اس کتاب میں کسی مقام پر اس نکتے کے بارے میں سیّدی دباغ کی زبانی کچھ واقعات موقع و محل کی مناسبت سے نقل کر دیں۔

(v) حرف علم کا پانچواں جز یہ ہے کہ انسانوں اور جنات سے متعلق تمام تر علوم سے آگاہی حاصل کی جائے۔ ان علوم کی تعداد بے شمار ہے۔ سیّدی دباغ فرماتے ہیں: صرف انسانوں سے متعلق علوم کی تعداد 366 ہے جبکہ جنات سے متعلق علوم کی تعداد 363 ہے۔ ان میں وہ علوم بھی شامل ہیں جن کا تعلق ان کی حیات اور بقا دونوں کے ساتھ ہے۔ حیات سے مراد وہ امور جو ان کی ظاہری زندگی سے تعلق رکھتے ہیں جیسے زراعت، تجارت، دستکاری وغیرہ اس کے علاوہ جدید (سائنسی، معاشرتی، معاشی، عمرانی غرضیکہ جملہ) علوم اس میں شامل ہوں گے۔ باطنی بقا سے مراد وہ علوم ہیں جن کا تعلق شریعت اور طریقت کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخرو ہونے کا طریقہ کیا ہے؟ شریعت کے احکام اور ان میں موجود انوار و اسرار کیا ہیں؟ دنیا اور آخرت میں انسان کو ان سے کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اگر میں اس بارے میں سیّدی دباغ کے تمام ملفوظات نقل کروں جن میں ان تمام امور کی تفصیلات اور جزئیات شامل ہیں تو قارئین کو بہت سی حیرت انگیز معلومات حاصل ہوں گی جنہیں سن کر ہر شخص یہ اندازہ لگا لے گا کہ یہ بات بالکل درست ہے۔ میں بھی کئی برس تک سیّدی دباغ سے ان امور پر گفتگو کرتا رہا ہوں مثلاً مختلف

سلاسل طریقت کے مشائخ کے درمیان (تربیت کے طریقے) مختلف ہونے کا بنیادی سبب کیا ہے؟ علم فقہ کے ماہرین ائمہ کرام کی فقہی آراء ایک دوسرے سے مختلف کیوں ہوتی ہیں؟ مختلف انبیاء کرام کی شریعتوں کے احکام ایک دوسرے سے مختلف کیوں ہوتے ہیں؟ ان تمام امور کی بابت میں نے سیّدی دباغ کی زبانی بے شمار اسرار سنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کی بدولت دنیا اور آخرت میں ہمیں سیّدی دباغ کے علوم سے نفع حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ سیّدی دباغ فرماتے ہیں: ان علوم میں ان آفات کا علم بھی شامل ہوگا جو انسان کی ظاہری یا باطنی بربادی کا باعث بنتی ہیں۔ ان آفات کی اقسام، وجہ نزول، نقصانات، ان نقصانات سے بچنے کے طریقے وغیرہ سب چیزیں ان میں شامل ہوں گی۔ اس میں علم طب میں مکمل مہارت بھی شامل ہوگی۔ خواہ اس کا تعلق انسان کی ظاہری زندگی کے ساتھ ہو یا باطنی زندگی کے ساتھ ہو۔

(vi) حرف علم کا چھٹا جز کائنات سے متعلق تمام امور سے آگاہی ہے۔ اس میں عالم علوی اور عالم سفلی دونوں شامل ہیں۔ عالم سفلی سات امور پر مشتمل ہے۔ چار عناصر یعنی آگ، ہوا، مٹی، پانی اور تین مرکبات یعنی جمادات، حیوانات اور نباتات لہٰذا علم کامل میں ان تمام امور سے آگاہی شامل ہوگی جس میں ان اشیاء کی حقیقت سے آگاہی، ان کی امتیازی خصوصیات سے واقفیت، ان کے نفع اور نقصان کا علم، غرضیکہ ان سے متعلق تمام معلومات شامل ہیں کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک چیز بظاہر حجم میں کم ہوتی ہے لیکن اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور دوسری چیز حجم میں زیادہ ہوتی ہے لیکن اس کا اثر کم ہوتا ہے۔

(vii) حرف علم کا ساتواں جز یہ ہے کہ علم کامل کے سامنے کل جہان سمٹ کر ایک جہت کی شکل اختیار کر جاتا ہے کیونکہ علم ایک نور ہے اس لئے یہ ہر ایک سمت میں موجود اشیاء کا ادراک کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ علم کامل کے مالک شخص کو یہ صلاحیت عطا کرتا ہے کہ وہ اپنے پیچھے، اوپر، نیچے، دائیں، بائیں موجود اشیاء کو اسی طرح دیکھ سکتا ہے جیسے وہ اپنے سامنے موجود اشیاء کو دیکھ سکتا ہے اس صورت میں تمام تر جہات سمٹ کر ایک جہت کی شکل اختیار کر جاتی ہیں۔ اس کے سامنے صرف آگے کی سمت باقی رہ جاتی ہے اور بقیہ تمام جہات معدوم ہو جاتی ہیں۔ یہ کیفیت صرف ''صاحب فتح'' ولی کو حاصل ہوتی ہے اور درج ذیل حدیث میں بھی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

انی لاراکم من خلفی کما اراکم من امامی

''میں اپنے پیچھے تمہیں اسی طرح دیکھتا ہوں جیسے اپنے سامنے دیکھتا ہوں۔''

اس لئے صحابہ کرام اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے موجود ہوتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اسی طرح ملاحظہ کر لیتے تھے جیسے اپنے سامنے موجود اشیاء کو ملاحظہ کرتے، جو شخص ان خصوصیات کا مالک نہ ہو اس کا علم کامل نہیں ہوتا۔

7-حرف رسالت:

(i) حرف رسالت کا سب سے پہلا جز یہ ہے کہ روح جسم میں اپنی پوری رضامندی، قبولیت اور محبت کے ہمراہ قیام پذیر ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکیزہ اجسام میں کچھ مخصوص انوار موجود ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان کے نور سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ انہی انوار کی قلت یا کثرت روح کی پسندیدگی یا ناپسند کا باعث بنتی ہے کیونکہ نور ہمیشہ نور ہی کی طرف مائل ہوتا ہے اور روح بھی ایک نور ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان کا نور، روح کے نور سے زیادہ روشن اور چمکدار ہوتا ہے لہٰذا جب کسی روح کو کسی جسم میں یہ نور دکھائی دے جائے تو وہ اس میں قیام کرنا پسند کرتی ہے۔ بالفرض ایک جسم کے اندر ایمان باللہ کا نور ایک بالشت کے برابر ہے اور دوسرے جسم میں دو بالشت کے برابر ہے تو روح دوسرے جسم میں قیام کرنا زیادہ پسند کرے گی۔ اسی طرح ایمان کا نور، اجر کے انوار کی بدولت بڑھتا رہتا ہے۔ ہر عمل کا مخصوص اجر اور ہر اجر کا مخصوص نور ہوتا ہے اور تمام اجور کے اثرات انسان کی ذات پر منعکس ہوتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کو دنیا میں یہ فائدہ نصیب ہوتا ہے کہ اس کے ایمان کے انوار زیادہ ہو جاتے ہیں اور آخرت میں یہ اجور، جنت کی نعمتوں کی شکل میں نیک اعمال کرنے والوں کو نصیب ہوں گے۔

سیّدی دباغ فرماتے ہیں: بالفرض اگر دو افراد کا نور ایمان برابر ہو اور پھر ان دونوں میں سے ایک سارا دن نیک اعمال کرتا رہے مگر دوسرا کوئی نیک عمل نہ کرے اور پھر رات کو دونوں ایک ساتھ سو جائیں تو جس شخص نے سارا دن نیک اعمال کیے تھے اس کے ایمان کا نور ساری رات جگمگاتا رہے گا۔ سیّدی دباغ فرماتے ہیں: سب سے زیادہ اجر رسول کو عطا کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی رسول کے ایمان کے مرتبے تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے بعد مرسلین میں (فضیلت کے فرق کے علاوہ) امتیوں کی قلت و کثرت کے اعتبار سے بھی مراتب میں فرق ہوتا ہے اور متبعین کی کثرت کے اعتبار سے کوئی بھی رسول ہمارے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر تمام مرسلین سے زیادہ اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کا نور دیگر تمام انبیاء و مرسلین کے نور سے اس قدر زیادہ ہوگا کہ دوسرا کوئی بھی اس تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھ سکتا۔ اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ انبیاء کرام کی ارواح جس قدر رضا و رغبت کے ہمراہ ان حضرات کے اجسام میں قیام کرتی ہیں یہ کیفیت دیگر اہل ایمان کو حاصل نہیں ہے اور ارواح کے اس مخصوص قیام کی کیفیت کو ہم نے ''حرف رسالت'' کا پہلا جز قرار دیا ہے۔ آپ پر یہ بات بھی بخوبی واضح ہوگئی ہوگی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس میں جس قدر رضا و رغبت کے ہمراہ اور جس کیفیت میں سکونت پذیر ہے، یہ کیفیت دیگر انبیاء کو حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں ''حرف رسالت'' کا یہ جز اپنے مرتبہ کمال پر موجود ہے۔ جسم میں روح کی سکونت کی کیفیت میں فرق کا ایک اور سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ ایمان کا نور اگر روح سے کم ہو تو پھر روح کو بے

چینی محسوس ہوتی ہے۔ اگر ایمان کا نور زیادہ ہو تو روح کو راحت محسوس ہوتی ہے۔ سیّدی دباغ فرماتے ہیں: کفار میں ایمان کا نور سرے سے موجود ہی نہیں ہوتا۔ ان کے اجسام میں ارواح صرف اس لئے قیام کرتی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کے فیصلے کو نافذ کیا جا سکے وگرنہ ارواح ان اجسام میں قیام کو سخت ناپسند کرتی ہیں۔

(ii) غیب اور شہادت کا کامل علم: یہاں غیب سے مراد وہ علم ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت کے ساتھ ہے جبکہ شہادت سے مراد وہ علم ہے جس کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے جس میں انسانوں، جنات کے جملہ احوال کا علم، دنیا اور آخرت سے متعلق تمام علوم شامل ہیں۔ اس بارے میں ہم پہلے بھی تفصیلی طور پر تحریر کر چکے ہیں۔ تاہم یہاں علم کامل سے مراد ان تمام علوم کی انتہائی درجے کی معرفت ہے جس کا ہر رسول میں پایا جانا ضروری ہے اور ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ وصف سب سے زیادہ کمال کی صورت میں موجود ہے۔

(iii) حرف رسالت کا تیسرا جز یہ ہے کہ ہر حال میں ہر ایک کے ساتھ اقوال اور احوال میں سچائی اختیار کی جائے یعنی وہ تمام اقوال اور افعال اللہ تعالیٰ کی پسند اور رضا کے مطابق ہوں کیونکہ انبیاء اکرامؑ تمام بنی نوع انسان کے پیشوا ہیں اور سب انسان ان حضرات کی پیروی کے پابند ہیں اس لئے ان حضرات میں یہ خصوصیت بدرجہ اتم موجود ہونی چاہئے۔ اس لئے انبیاء کرامؑ ہمیشہ حق بات کہتے ہیں، سچ بولتے ہیں، ان کے مزاح میں بھی حقیقت کی ترجمانی موجود ہوتی ہے۔ ان کی کہی ہوئی بات وہ پوری ہو کر رہتی ہے اور اگر بظاہر پوری ہوتی دکھائی نہ دے تو ان کے قول کی صحیح تاویل کی جائے گی۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اس کتاب میں بعض مقامات پر ہم ایسی چند باتوں کا تذکرہ کریں گے۔ مختصر یہ کہ ان حضرات کا کلام اہلِ جنت کی خواہشات کی مانند ہوگا جیسے اہل جنت، جنت میں جب کبھی، کسی بھی چیز کی خواہش کریں گے تو وہ خواہش ضرور پوری ہوگی "حرف نبوت" کے پہلے جز (حق گوئی) اور "حرف رسالت" کے موجودہ جز کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ اس جز کا مالک گویا صرف تقدیر کا پیغام آگے بیان کر رہا ہے اس کا اپنا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن "حق گوئی" میں یہ خصوصیت نہیں ہوتی اس لئے "حرف رسالت" کے موجودہ جز کا نور "حرف نبوت" کے پہلے جز سے زیادہ بہتر ہوگا۔

(iv) حرف رسالت کا چوتھا جز سکون اور وقار ہے۔ اس سے مراد دل میں موجود وہ نور ہے جس کی موجودگی میں انسان ہمیشہ مطمئن رہتا ہے اور ہر حال میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرتا ہے یہاں تک کہ اگر اس شخص کو تبلیغ کا حکم ہو اور پھر ساری دنیا کے لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو یہ ان کی کثرت کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا بلکہ ان کی تمام تر اکثریت اس کی نظر میں نہ ہونے کے برابر ہوگی۔ کیونکہ وہ اس بات سے بخوبی واقف ہوگا کہ مخلوق میں ذاتی طور پر کسی بھی شخص کی مخالفت یا موافقت کرنے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ (سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے) اس کے برعکس جس شخص میں سکون کا نور موجود

نہیں ہوگا اگر اس شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص مجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہے اور وہ ایسا کر بھی سکتا ہے تو اب یہ اس کے خلاف مدافعت کی تدبیریں سوچنا شروع کر دے گا کہ مقابلے یا فرار میں سے کون سی صورت بہتر رہے گی اور پھر اسی کشمکش میں دشمن سر پر آ جاتا ہے اور کچھ بھی نہیں ہوتا کیونکہ اس کا دل پریشان اور خیالات منتشر ہوتے ہیں۔ سکون اور وقار کو حرف رسالت کا جز اس لئے قرار دیا گیا ہے کیونکہ مرتبہ رسالت پر فائز شخص کا یہ فرض ہے کہ جب تک لوگ کفر سے باز نہ آ جائیں اس وقت تک ان سے دشمنی کی توقع رکھے اس لیے ایسا شخص کسی کی توجہ، عدم توجہ، محبت یا نفرت کی پرواہ نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی کے زمانے میں، کفار نے متحد ہو کر مقابلے کی کوشش کی لیکن انبیاء کرام کی دعوت و تبلیغ کے کام میں کوئی رکاوٹ نہ آ سکی۔

سیّدی دباغ فرماتے ہیں: قرآن مجید کی جن آیات میں ''سکینہ'' کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد سکون کا یہی نور ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔

''پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اہل ایمان پر سکینت نازل فرمائی۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ''سکون'' نازل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت قدمی کے آثار کا مشاہدہ کروایا گیا اور دشمن کی کثیر تعداد کے مقابلے میں ڈٹے رہنے کا انجام دکھایا گیا جبکہ مومنین پر ''سکون'' نازل کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے اور برکت سے اہل ایمان بھی پرسکون رہے۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اس کے بعد سیّدی دباغ نے قرآن پاک کی درج ذیل آیت اور دیگر احادیث کی طرف بھی اشارہ کیا جن میں ''سکینہ'' کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔

''تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سکون ہوگا۔''

اس کے بعد حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں موجود ''سکینہ'' کا تذکرہ ہوا۔ اس کے علاوہ ''سکینہ'' کے بارے میں چند دیگر روایات بھی منقول ہیں۔ مفسرین نے ''سکینہ'' کی تفسیر میں جو اقوال نقل کیے تھے وہ میرے علم میں تھے۔ تاہم سیّدی دباغ نے اس مقام کی ایسی تشریح کی جیسے آپ اس کا مشاہدہ کر کے بیان کر رہے ہوں۔ یہاں تک کہ مختلف نکات کے گھومتی ہوئی گفتگو اس نکتے تک پہنچی کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کس طرح حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اگر قارئین کی اکتاہٹ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں وہ تمام گفتگو یہاں نقل کرتا۔

(۷) حرف رسالت کا پانچواں جز کامل مشاہدہ ہے کیونکہ یہ عقل سے ماورا مقام ہے اس لئے اس کی تشریح بیان نہیں کی جا سکتی بالکل اسی طرح جیسے ''حرف نبوت'' کے اجزاء میں ''معرفت الٰہیہ'' کی تشریح بیان نہیں کی

جاسکتی۔

(vi) حرف رسالت کا چھٹا جز یہ ہے کہ رسول کی زندگی میں ہی اسے وہ مشاہدات نصیب ہوں جو دوسروں کو مرنے کے بعد نصیب ہوتے ہیں۔ اسے حرف رسالت کا جز اس لئے قرار دیا گیا ہے کیونکہ انبیاء کرام لوگوں کو (آخرت کے عذاب یا ثواب) سے ڈرا کر یا ترغیب دے کر، تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں اور یہ کام وہی شخص صحیح طریقے سے سرانجام دے سکتا ہے جو امور آخرت کا مشاہدہ کر رہا ہو کیونکہ اسی مشاہدے کی بدولت وہ امور آخرت سے متعلق جزئیات بیان کر سکے گا۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے عرض کیا: انبیاء کرام پر نازل ہونے والی وحی کی موجودگی میں مشاہدے کی کیا ضرورت ہے؟ سیّدی دباغ نے جواب دیا: وحی ایک خطاب ہے اور خطاب ان لوگوں سے کیا جا سکتا ہے جو ان کے معنی و مفہوم سے آگاہ ہوں۔ لہٰذا یہ مشاہدہ انبیاء کرام کے سامنے آخرت کے حالات کو مزید واضح کر دیتا ہے اور نبی اس کی بدولت آخرت کے احوال کا معائنہ کر لیتا ہے۔ وحی کے ذریعے گویا نبی کو اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ اب وہ لوگوں کی فہم اور برداشت کے مطابق ان احوال کی تبلیغ کرے۔ جو باتیں لوگوں کی برداشت سے باہر ہوں ان کا مشاہدہ بھی نبی کو نصیب ہوتا ہے لیکن ان کی تبلیغ نہیں کی جاتی۔ اگر کسی ایسے شخص کے ساتھ کوئی کلام کیا جائے جو اس کے معنی و مفہوم سے آگاہ ہی نہ ہو تو وہ دوسروں تک اس کلام کو کیسے منتقل کر سکتا ہے؟

(vii) حرف رسالت کا ساتواں جز یہ ہے کہ نبی دنیا میں جنتیوں کی مانند زندگی بسر کرے یعنی نبی کی ذات دنیا میں انہی انوار سے سیراب ہو جن انوار سے اہل جنت، جنت میں سیراب ہوں گے۔ اس کی تشریح ہم یوں کر سکتے ہیں کہ کائنات کے دو حصے ہیں: ایک عالم فنا اور دوسرا عالم بقا۔ پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں: ایک ظلمانی اور دوسری نورانی، عالم بقا کی نورانی قسم کو جنت اور ظلمانی قسم کو جہنم کہا جائے گا۔ اگر عالم فنا اور عالم بقا کے درمیان موجود حجاب زائل ہو جائے تو عالم بقا کی ہر قسم، عالم فنا سے تعلق رکھنے والی اپنی ہم جنس قسم کی مدد کرتی ہے چنانچہ نورانی بقا، نورانی فنا کی اور ظلمانی بقا، ظلمانی فنا کی مدد کرتی ہے۔ اس حجاب کے زائل ہونے کی کیفیت مختلف ہوتی ہے اور چھٹے جز (حرف علم) میں ہم اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ یہ حجابات انبیاء کرام کے سامنے سے، اسی دنیا میں ہٹا دیئے جاتے ہیں کیونکہ ان کا وجود نورانی ہوتا ہے اور یہ عالم بقا کے نورانی حصے سے سیراب ہوتے ہیں۔ عامۃ الناس کیلئے یہ حجاب قیامت کے دن زائل ہوگا اور اسی دن ہر مومن جنت سے اور ہر کافر دوزخ سے سیراب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کی بدولت ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ مختصر یہ کہ آخرت کے انوار سے سیرابی کا انحصار حجاب کے زوال کی کیفیت پر منحصر ہے کیونکہ انبیاء کرام کے سامنے سے یہ حجاب مکمل طور پر زائل ہو جاتا ہے اس لئے یہ حضرات دنیا میں بھی جنتیوں کی مانند زندگی بسر کرتے ہیں۔

سیّدی دباغ فرماتے ہیں: آدمیت، قبض، بسط، نبوت، روح، علم، رسالت کے اجزاء کی یہی تشریح ہے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں یاددہانی کیلئے ان کو دہرا دیتا ہوں۔

ظاہری صورت کی خوبصورتی کا کمال، ظاہری حواس کا کمال، باطنی اخلاق کا حسن کمال، باطنی حواس کا حسن کمال، مردانگی، شیطانی اثرات سے محفوظ رہنا اور عقل کا کامل ہونا حرفِ آدمیت کے اجزاء ہیں۔

خیر سے لذت اور شر سے نفرت کی حس، انصاف، متضاد سے نفرت، امتثال امر، اپنی جنس کی طرف میلان، انقباض اور حق کے بارے میں کسی بھی قسم کی شرم نہ کرنا حرف قبض کے اجزاء ہیں۔

کامل خوشی، وجود میں خیر کا قیام، ظاہری حواس کی فتح، باطنی حواس کی فتح، رفعت، حسن تجاوز اور انکساری حرف بسط کے اجزاء ہیں۔

قول حق، صبر، رحمت، معرفت الٰہیہ، خوف تام، بغض باطل اور عفو حرف نبوت کے اجزاء ہیں۔

ذوق انوار، طہارت، تمیز، بصیرت، عدم غفلت، قوت سریان اور مادی اشیاء سے متاثر نہ ہونا حرف روح کے اجزاء ہیں۔ علوم کا بار اٹھانا، انہیں ضائع ہونے سے محفوظ رکھنا، تمام زبانوں اور آوازوں سے واقف ہونا، انجام سے واقف ہونا، کائنات سے متعلقہ علوم سے آگاہ ہونا، دنیا و آخرت کے جملہ علوم سے آگاہی اور تمام جہات کا ایک ہی جہت میں سمٹ آنا حرف علم کے اجزاء ہیں۔ روح کا پوری رضامندی اور محبت کے ہمراہ جسم میں قیام، علم

''ذ'' زبانوں کی معرفت کیلئے ہے' یہ ''علم'' کا جز ہے۔

''ر'' حسن تجاوز کیلئے ہے' یہ ''بسط'' کا جز ہے۔

''ز'' ہر ایک کے ساتھ صدق کیلئے ہے' یہ ''رسالت'' کا جز ہے۔

''ط'' تمیز کیلئے ہے' یہ ''روح'' کا جز ہے۔

''ظ'' شیطانی حصے سے محفوظ رہنے کیلئے ہے' یہ آدمیت کا جز ہے۔

''ک'' معرفت الٰہیہ کیلئے ہے' یہ ''نبوت'' کا جز ہے۔

''ل'' علم کامل کیلئے ہے' یہ ''رسالت'' کا جز ہے۔

''م'' مردانگی کیلئے ہے' یہ ''آدمیت'' کا جز ہے۔

''ن'' کامل خوشی کیلئے ہے' یہ ''بسط'' کا جز ہے۔

''ص'' کامل عقل کیلئے ہے' یہ ''آدمیت'' کا جز ہے۔

''ض'' قول حق کیلئے ہے' یہ ''نبوت'' کا جز ہے۔

''ع'' عفو کیلئے ہے' یہ ''نبوت'' کا جز ہے۔

''غ'' ظاہری صورت کے کمال کیلئے ہے' یہ ''آدمیت'' کا جز ہے۔

''ف'' حمل علوم کیلئے ہے' یہ ''علم'' کا جز ہے۔

''ق'' بصیرت کیلئے ہے' یہ ''روح'' کا جز ہے۔

''س'' عاجزی کیلئے ہے' یہ ''بسط'' کا جز ہے۔

''ش'' گرفت کے کمال کیلئے ہے اور یہ ''قبض'' کا جز ہے۔

''ہ'' ضد سے نفرت کیلئے ہے' یہ بھی ''قبض'' کا جز ہے۔

''و'' زندگی میں مرحوم کی مانند ہو جانے کیلئے ہے' یہ ''رسالت'' کا جز ہے۔

''ل'' عدم غفلت کیلئے ہے' یہ ''روح'' کا جز ہے۔

''ی'' آخری حرف ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے مکمل خوف کیلئے ہے جو ''نبوت'' کا جز ہے۔ گویا 5 حروف (ت' ض' م' ص' غ) کا تعلق ''آدمیت'' کے ساتھ ہے۔ 4 حروف (ا' ث' ش' ہ) کا تعلق ''قبض'' کے ساتھ ہے۔ 3 حروف (ر' ن' س) کا ''بسط'' کے ساتھ ہے۔ 6 حروف (ج' ح' ک' ض' ع' ی) کا تعلق ''نبوت'' کے ساتھ ہے۔ 5 حروف (د' خ' ط' ق' لام الف) کا تعلق ''روح'' کے ساتھ ہے' 2 (ذ' ف) حروف کا تعلق ''علم'' کے ساتھ ہے' 4 حروف (ب' ز' ل' و) کا تعلق ''رسالت'' کے ساتھ ہے۔ یہ 29 حروف تہجی' ''حروف سبعہ'' کے 49 میں سے 29 اجزاء کے بالمقابل آ گئے۔ اب باقی 20 اجزاء رہ گئے جن میں سے دو حرف ''آدمیت''' تین حروف قبض' چار حروف بسط' ایک حرف نبوت' دو حرف روح' پانچ حرف علم اور تین حرف رسالت

کے ساتھ تعلق رکھے ہیں۔ ان 20 حروف میں سے 18 حروف ''مدولین'' (ا' و' ی) میں اس طرح تقسیم ہوں گے کہ تینوں میں سے ہر ایک حرف کے حصے میں چھ حروف آئیں گے یعنی ''ا'' کے 6 ''و'' کے 6 اور ''ی'' کے 6۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ''حروف مدولین'' کو 6 گنا تک لمبا کر دیا کرتے تھے۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) علم قرأت کے امام ابن جزری نے اپنی کتاب ''النشر'' میں ''مد'' کے احکام پر بحث کرتے ہوئے اس کے ''6'' مراتب بیان کیے ہیں جن کی تلخیص یہ ہے:

ا۔ ''مد'' کو ایک الف کے برابر کھینچا جائے۔ یہ ابن کثیر اور ابو جعفر کی قرأت ہے۔

2۔ ''مد'' کو 2 یا ڈیڑھ الف کے برابر کھینچا جائے۔ یہ دوری اور قالون کی قرأت ہے۔

3۔ 3 الف کے برابر کھینچا جائے۔ بعض نے اڑھائی بھی کہا ہے۔ یہ کسائی کی قرأت ہے۔

4۔ 4 الف یا ساڑھے تین الف کے برابر کھینچا جائے۔ یہ عاصم اور ابن عامر کی قرأت ہے۔

5۔ 5 یا ساڑھے چار الف کے برابر کھینچا جائے یہ حمزہ اور ورش کی قرأت ہے۔

6۔ تقریباً 6 الف کے برابر کھینچا جائے۔

اس کے بعد ابن الجزری نے ''مد'' کے دو اور مراتب بھی بیان کیے ہیں۔ پہلا مرتبہ مذکورہ بالا مراتب میں سے سب سے پہلے مرتبے یعنی ایک الف کے برابر سے بھی کچھ کم ہے جسے اصطلاح میں ''بتر'' کہا جاتا ہے اور یہاں ''حرف مد'' کو حذف کر دیا جاتا ہے لیکن علم قرأت کے بعض ماہرین نے اسے غلط قرار دیا ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ سابقہ ذکر شدہ مراتب میں پانچویں اور چھٹے مرتبے کے درمیان ایک مرتبہ ہے لیکن اسے بھی درست قرار نہیں دیا جاتا اور مذکورہ بالا 6 مراتب ہی مستند ہیں جن کی طرف سیّدی دباغ نے اشارہ کر دیا ہے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی جزوی مباحث موجود ہیں جنہیں ہم سر دست نظر انداز کرتے ہیں۔ اس لیے ہم اپنے اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ''الف ممدودہ'' کیلئے مخصوص ''حروف سبعہ'' کے 6 اجزاء یہ ہیں: باطنی صورت کا کمال' روح کا پوری رضامندی کے ساتھ جسم میں داخل ہونا' احساس کا جسم کے ہر رگ و پے میں سرایت کر جانا' باطنی حواس کا کمال' بغض باطل' ذات میں بھلائی کا رچ بس جانا۔

''الف ممدودہ'' کی دو قسمیں ہیں: کبھی ''مد'' کا تعلق ضمیر متکلم کے ساتھ ہوتا ہے جیسے ''اِنَّـا اٰمَنَّـا'' کیونکہ یہاں ''مد'' کے ذریعے متکلم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کبھی اس کا تعلق کسی دوسرے لفظ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے ''مِنَ السَّمَآءِ مَآءً'' اس میں متکلم کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔ جب ''مد'' کے ذریعے متکلم کی طرف اشارہ کیا گیا ہو تو یہ ''مد'' کا سب سے پہلا مرتبہ ہوگا یعنی یہاں پر ایک الف کے برابر ''مد'' کو کھینچا جائے گا۔ اور یہ ''باطنی حس کے کمال'' پر دلالت کریگی۔

دوسرے مرتبے میں جب ''مد'' کو دو الف کے برابر کھینچا جائے گا تو یہ روح کے جسم میں برضا و رغبت قیام پر دلالت کرے گی۔

تیسرے مرتبے میں یہ ''حاسہ ساریہ'' پر دلالت کرے گی۔
چوتھے مرتبے میں یہ ''کمال حواس باطنی'' پر دلالت کرے گی۔
پانچویں مرتبے میں بغض باطل پر دلالت کرے گی اور چھٹے مرتبے میں یہ ''جسم میں بھلائی کے رچ بس جانے'' پر دلالت کرے گی۔

یہ اصول یاد رکھیں کہ مذکورہ بالا ہر مرتبے میں سابقہ مرتبے کی خصوصیت بھی شامل ہوتی چلی جائے گی یعنی پہلے مرتبے میں ایک جز موجود ہوگا۔ دوسرے مرتبے میں 2' تیسرے میں 3' چوتھے میں 4 اور پانچویں میں 5 اور چھٹے مرتبے میں 6 اجزاء موجود ہوں گے۔

لیکن اگر یہ ''الف ممدودہ'' متکلم کے علاوہ کسی اور لفظ کیلئے استعمال کیا گیا ہوگا تو اس وقت ''مد'' کا پہلا مرتبہ باطنی صورت کے کمال' دوسرا مرتبہ بغض باطل' تیسرا ذات میں بھلائی کا رچ بس جانا' چوتھا قوت ساریہ' پانچواں باطنی حس کا کمال اور چھٹا روح کا پوری رضامندی کے ساتھ جسم میں قیام کے ساتھ مخصوص ہوگا اور یہاں بھی ہر مرتبے میں سابقہ مرتبے کی خصوصیت جمع کی جائے گی۔

مذکورہ بالا 2 مراتب میں سے پہلے مرتبے کو حسن باطن کے کمال سے اس لیے شروع کیا گیا کیونکہ جب الف کو ضمیر متکلم کا جز قرار دیا جائے گا تو یہ کمال حسن باطن کی طرف اشارہ ہوگا کیونکہ ''آدمیت'' کمال کا بچھونا ہے جس کے ذریعے کمال کی تربیت ہوتی ہے لیکن جب ''الف ممدودہ'' کے ذریعے متکلم کے علاوہ کسی اور کی طرف

لیکن اگر اس کا تعلق متکلم کی ذات کے ساتھ ہو تو پہلی صورت میں باطنی حواس کی فتح، دوسری میں اس کے ہمراہ ظاہری حواس کی فتح، تیسری میں ان دونوں کے ہمراہ اپنی جنس کی طرف میلان، چوتھی میں ان تینوں کے ہمراہ المناک اشیاء کا عدم احساس، پانچویں میں ان چاروں کے ہمراہ عدم حیاء، چھٹی میں ان پانچوں کے ہمراہ قوت سرایت ہوگی۔

''ی'' کے اجزاء 6 ہیں ضائع نہ کرنا، سامنے کی جہت میں موجود ہونا، انجام کی معرفت، انسان اور جنات سے متعلق علوم سے آگاہی، دنیا و آخرت سے متعلق علوم سے آگاہی، اہل جنت کی سی زندگی بسر کرنا۔

اگر ''ی'' کی نسبت ضمیر متکلم کی طرف ہوگی تو پہلی صورت میں احوال کونین کی معرفت، دوسری میں اس کے ہمراہ ضائع نہ کرنا، تیسری میں ان دونوں کے ہمراہ انجام کے معرفت، چوتھی میں ان تینوں کے ہمراہ انحصار جہات، پانچویں میں ان چاروں کے ہمراہ جن وانس سے متعلق معلومات سے آگاہی اور چھٹی میں ان پانچوں کے ہمراہ اہل جنت کی مانند زندگی بسر کرنا ہوگا۔

اگر ''ی'' کی نسبت متکلم کی بجائے کسی اور چیز کی طرف ہو تو پہلی صورت میں انحصار جہات، دوسری میں ثقلین سے متعلق علوم سے آگاہی، تیسری میں اہل جنت کی مانند زندگی بسر کرنا، چوتھی میں انجام کی معرفت، پانچویں میں ضائع نہ کرنا، چھٹی میں دنیا اور آخرت سے متعلق علوم سے آگاہی شامل ہوگی۔ تاہم ہر قسم میں سابقہ قسم کا جز بلکہ اجزاء بھی شامل ہوں گے۔

18 اجزاء اور ان کے مراتب کی یہی تشریح ہے۔ بقیہ دو جز مشاہدہ حق اور کمال رفعت ہیں اور قرآن کے رسم الخط کا تعلق انہی دونوں کے انوار کے ساتھ ہے اور قرآن میں جس مقام پر ''اُوْی'' لکھے جائیں مگر پڑھے نہ جائیں تو ان مقامات میں ان حروف کے رسم الخط کا تعلق انہی دونوں اجزاء کے ساتھ ہوگا۔ اگر حرف کا مدلول بظاہر دکھائی دے تو اس کا تعلق مشاہدے کے ساتھ ہوگا اور اگر دکھائی نہ دے تو اس کا تعلق مقام رفعت کے ساتھ ہوگا۔

☆☆☆

قرآنی رسم الخط کی بحث

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے دریافت کیا: یہ رسم الخط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دیا تھا یا صحابہ کرام نے خود اسے اختیار کیا؟ سیّدی دباغ نے جواب دیا: یہ طریقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت اختیار کیا گیا تھا۔ صحابہ کرام نے اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی۔ میں نے عرض کی: بعض اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ یہ رسم الخط صحابہ کرام نے خود اختیار کیا اس لیے اسے ضروری قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ صحابہ کرام زمانہ جاہلیت میں قریش میں رائج رسم الخط کے تحت لکھا کرتے تھے۔ اس لیے علم قرأت کے ماہرین ''ربا'' کو ''ربوا'' لکھتے ہیں کیونکہ قریش ایسے ہی لکھا کرتے تھے۔ قریش نے ''حیرہ'' کے رہنے والوں سے لکھنے کا فن

سیکھا تھا اسلئے وہ انہی کی نقل کرتے ہوئے یہ لفظ لکھا کرتے تھے لیکن بولتے وقت اپنے محاورے کے مطابق واؤ نہیں پڑھتے تھے جبکہ ''حیرہ'' کے رہنے والے اپنے محاورے کے مطابق اس لفظ میں واؤ بھی پڑھتے تھے اس لیے قریش کے رسم الخط میں بعض الفاظ دوسرے علاقوں کے تلفظ کے مطابق ہی موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ ابوبکر باقلانی نے اپنی کتاب ''الانتصار'' میں یہ بات تحریر کی ہے کہ رسم الخط تلفظ کے تابع ہوتا ہے اس لیے ایسے طریقے سے تحریر کرنا چاہئے جس میں ہر تلفظ مکمل طور پر نمایاں تحریر ہو جائے۔ اگرچہ اس بارے میں شیخ ابوبکر باقلانی کا کلام کچھ طویل ہے لیکن ہم مِنْ وعَنْ اسے یہاں نقل کریں گے:

حضرت عثمان غنی کا قول

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا: قرآن میں بعض مقامات پر ''لحن'' پایا جاتا ہے جسے عرب اپنے محاورے کے مطابق خود ہی درست کرلیں گے۔

اسی قول پر تبصرہ کرتے ہوئے باقلانی لکھتے ہیں کہ اس کی درست تاویل یہی ہوگی کہ جن حروف کو کتابت کے دوران تحریر کیا جاتا ہے لیکن زبانی تلفظ میں وہ استعمال نہیں ہوتے عرب قرأت کے دوران خود ہی انہیں حذف کر دیا کریں گے۔ لیکن اگر تلفظ کی رعایت کرتے ہوئے رسم الخط تجویز کیا جاتا تو یہ مناسب تھا تا کہ غیر عرب کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے۔ مذکورہ بالا قول کا مطلب یہ تھا کہ عرب لوگ رسم الخط کی ظاہری شکل کی پرواہ

معنی ہوتا۔ اس لیے ثابت یہ ہوا کہ مذکورہ بالا قول میں ''لحن'' کا مطلب یہ ہے کہ کاتب نے تحریر کرتے وقت الفاظ کے ظاہری تلفظ کا لحاظ نہیں رکھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس رسم الخط کو خود بھی تبدیل نہیں کیا اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ رسم الخط قرآن کے تحریری نسخوں میں ہر جگہ پھیل چکا تھا جسے مکمل طور پر تبدیل کروانا عملی طور پر ممکن نہیں رہا تھا۔

اس تاویل پر اعتراض

اگر اس تاویل پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس صورت میں قرآن کی تحریری شکل میں غلطی واقع ہوگئی ہے اور اس میں ایسے حروف شامل ہو گئے ہیں جو درحقیقت قرآن کا حصہ نہیں ہیں اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اگر انہیں تحریر نہ کیا جاتا تو یہ زیادہ بہتر تھا اس لیے اس تحریری شکل پر سب کا اتفاق ہے یعنی ایک غلط بات پر اتفاق ہے؟ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے الفاظ اور ان کی ترتیب و تناسب کی حفاظت ہم پر لازم کی ہے یعنی اس کے الفاظ میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی مگر ہم کسی خاص رسم الخط کے مکلّف نہیں ہیں کیونکہ اگر کسی مخصوص رسم الخط میں قرآن کا لکھنا واجب ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کا حکم دیتے لیکن احادیث کے ساتھ قرآن میں بھی ایسا کوئی حکم موجود نہیں ہے جس کے مطابق کسی مخصوص رسم الخط میں قرآن کا لکھنا لازم ہوتا۔ اجماع اور قیاس کے ذریعے بھی اس بات کی تائید نہیں ہوتی بلکہ احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو تحریری شکل میں محفوظ کرتے وقت کسی معین رسم الخط کی پابندی کا تذکرہ نہ کر کے بالواسطہ طور پر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ہر کاتب اپنے مخصوص رسم الخط کے مطابق تحریر کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خط کوفی اور خط اول میں قرآن کو لکھنا جائز ہے۔ ''ل'' کو ''ک'' سے مشابہ شکل میں لکھا جا سکتا ہے۔ ''الف'' کو ذرا ٹیڑھا کر کے لکھا جا سکتا ہے۔ غرضیکہ کسی ایک رسم الخط کی پابندی ضروری نہیں ہے اور تمام صحابہ کرام کے نزدیک رسم الخط میں اختلاف جائز تھا اور اس میں کوئی شرعی خرابی نہیں تھی کیونکہ رسم الخط صرف ایک علامتی اشارہ ہے اور جو حضرات کسی معین رسم الخط کو واجب قرار دیتے ہیں وہ شرعی دلیل دینے کے پابند ہیں جو ناممکن ہے۔

سیّدی دباغ کی رائے

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) یہ تمام گفتگو شیخ ابوبکر باقلانی کی تھی لیکن سیّدی دباغ ارشاد فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے عین مطابق قرآن کی آیات کو تحریر کیا اور اس میں بال برابر بھی اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی نہیں کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (تلفظ کے اعتبار سے رسم الخط میں) مخصوص کمی بیشی کی ہدایت کی تھی تاکہ وہ اسرار ظاہر ہو سکیں جو عام انسانوں کی پہنچ سے باہر ہیں اور یہ رسم الخط زمانہ جاہلیت میں عربوں یا دنیا کی کسی قوم کے ہاں رائج نہیں تھا کیونکہ کسی کی بھی عقل یہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ یہ رسم

الخط ایک ''سر'' ہے جو صرف قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ طرز تورات، انجیل بلکہ کسی بھی آسمانی صحیفے میں موجود نہیں ہے۔ نظم قرآن کی طرح رسم الخط میں ایک معجزہ ہے۔ انسان کی عقل یہ نہیں سمجھ سکتی کہ قرآن کی حروف میں (تلفظ ایک جیسا ہونے کے باوجود) ''مائتہ'' میں ''الف'' کیوں موجود ہے؟ اور ''فئتہ'' میں کیوں موجود نہیں ہے؟ یا ''بایید'' میں ایک ''ی'' زائد کیوں ہے؟ ''سعوا'' کے آخر میں ''الف'' کیوں موجود ہے؟ جبکہ ''سورہ سبا'' میں ''سعو'' کے آخر میں ''الف'' موجود نہیں ہے۔ قرآن میں ایک مقام پر ''عتوا'' موجود ہے اور دوسرے مقام پر ''عتو'' تحریر ہے (دونوں کا تلفظ یکساں ہے) ایک مقام پر ''یعفوا'' موجود ہے اور دوسرے مقام پر ''یعفو'' موجود ہے۔ ''امنوا، کفروا، خرجوا'' کے آخر میں ''الف'' تحریری شکل میں موجود ہے لیکن ''باؤ، جاؤ، فاؤ'' کے آخر میں موجود نہیں ہے۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے بعض مقامات پر ایک ہی جیسے الفاظ میں کوئی حرف موجود ہے اور پھر کسی دوسرے مقام پر اسی لفظ میں وہ حرف موجود نہیں ہے۔ اسی طرح رحمتہ، نعمتہ، قرۃ، شجرۃ کو کہیں ''ۃ'' کے ساتھ لکھا گیا ہے اور کہیں ''ہ'' کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

صلوٰۃ، حیوۃ وغیرہ جیسے الفاظ کو کہیں ''واؤ'' کے ہمراہ لکھا گیا تھا اور کہیں ''الف'' کے ہمراہ لکھا گیا ہے جیسے ''صلاتی''، ''حیاتکم'' وغیرہ یہ تمام تبدیلیاں اور اختلاف کسی نہ کسی ''سر'' کا مظہر ہیں اور فتح کے حصول کے بعد ہی ان کے اسرار سے آگاہی نصیب ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ان کی حیثیت حروف مقطعات کی مانند ہے جن میں بہت سے اسرار پائے جاتے ہیں لیکن بہت سے لوگ ان اسرار سے واقف نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حروف مقطعات ان سورتوں کے نام ہیں اور ہر ایک نے اپنے فہم کے مطابق ان کی تفسیر بیان کی ہے۔ حالانکہ یہ سب لوگ ان کے اصل حقائق سے بے بہرہ ہیں۔ اسی طرح قرآن کی تحریری شکل میں آنے والے ہر حرف میں مخصوص اسرار پائے جاتے ہیں۔

قرآن کے رسم الخط کو صحابہ کرامؓ کی طرف منسوب کرنے سے کئی قباحتیں پیدا ہوں گی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی موجودگی میں ایک مخصوص رسم الخط میں قرآن تحریر کروایا تھا۔ اگر صحابہؓ کا رسم الخط اسی کی مانند ہے تو یہ درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہوگا اور اسے صحابہؓ کی ایجاد قرار نہیں دیا جا سکتا اور اس کی پیروی ضروری ہوگی۔ لہٰذا اس رسم الخط کو صحابہؓ کی ایجاد قرار دینے کا بالواسطہ مفہوم یہ ہوگا کہ آپ نماز کا طریقہ کار یا رکعات کی تعداد کو بھی صحابہؓ کی ایجاد قرار دیدیں لیکن اگر یہ مختلف ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کرامؓ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تجویز کردہ رسم الخط کے برعکس طرز اختیار کر لیں کیونکہ ساری امت کی طرح صحابہؓ کرام کا بھی اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید میں کسی بھی قسم کی کمی بیشی کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ہم پہلے یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ قرآن مجید میں بعض الفاظ کو دو مختلف مقامات پر مختلف طرز میں تحریر کیا گیا ہے جن میں کسی حرف کی کمی یا اضافہ پایا جاتا ہے۔ اگر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق نہ ہوتا تو اس کا بالواسطہ مطلب یہ ہوتا کہ صحابہ کرامؓ اپنی طرف سے قرآن کے حروف میں کمی بیشی کی اجازت دی ہے تو یہ طے کرنا مشکل ہو جائے گا کہ

قرآن کے کون سے حروف میں کون سی کمی یا بیشی کی گئی ہے۔ البتہ اگر صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد قرآن کو تحریر کیا ہوتا تو ہم یہ کہہ سکتے تھے کہ اس کا رسم الخط صحابہ کا ایجاد کردہ ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی حیات طیبہ میں قرآن مجید کو اس طرز میں تحریر کروایا تھا۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے عرض کی: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو لکھنے کے طریقے سے واقف ہی نہیں تھے جیسے خود قرآن نے اس بات کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ

''قرآن کے نزول سے پہلے تم لکھنا یا پڑھنا نہیں جانتے تھے کہ اہل باطل کسی شک کا شکار ہوں (کہ یہ تم نے اپنی طرف سے تحریر کیا ہے)''

سیّدی دباغ نے جواب دیا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصطلاحی معنی میں کتابت کا فن نہیں سیکھا تھا۔ البتہ ''فتح ربانی'' کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف کتابت بلکہ دیگر بے شمار علوم وفنون سے آگاہ تھے۔ آخر ایسا کیوں نہ ہو جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے تعلق رکھنے والے صاحب ''فتح'' اولیاء کرام، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے اور برکت کی وجہ سے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والی تمام اقوام وملل کی زبانوں اور طرز تحریر سے واقف ہوتے ہیں۔

سیّدی دباغ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ''فتح'' نصیب فرمادے اور وہ شخص قرآنِ مجید اور لوح محفوظ دونوں کو دیکھے تو حروف کے طرز تحریر میں اسے مکمل مشابہت دکھائی دے گی۔ یہاں تک کہ ''آمَنُوْا'' ''كَفَرُوْا'' بھی لوح محفوظ میں اس طرح تحریر ہوں گے جس طرح ہمارے ہاں رائج قرآن مجید میں تحریر ہیں اور اُس وقت اس شخص کو پتہ چلے گا کہ اس خاص طرز تحریر میں ایسے کون سے اسرار پائے جاتے ہیں جو عام لوگوں کی عقل سے ماوراہیں۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اگرچہ سیّدی دباغ خود اُمی ولی ہیں لیکن میں نے آپ کی زبانی قرآن کے ایسے تمام الفاظ کے اسرار کا بیان سنا ہے جن کے ظاہری طرز تحریر میں کسی حرف کی کمی بیشی ہو جاتی ہے جیسے ''کفروا'' اور ''مائتہ'' وغیرہ پھر میں نے اس بیان کو رسم الخط کے ماہرین کی تحریروں کی روشنی میں جانچا تو یہ بالکل درست معلوم ہوئے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہی تو میں اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تحریر کروں گا تاکہ اہل علم صرف رسم الخط کے ماہرین کے بیان پر ہی اکتفاء نہ کریں کیونکہ ان حضرات نے صرف مخصوص حد تک ایسے الفاظ کی توجیہہ بیان کی ہے۔ غرضیکہ میں مسلسل سیّدی دباغ کے سامنے قرآن کے رسم الخط اور اس کی صحابہ کرامؓ کی طرف نسبت کے حوالے سے مختلف اشکالات پیش کرتا رہا اور سیّدی دباغ نے ان سب کے تسلی بخش جوابات عنایت کیے۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے سیّدی دباغ کو جزاء خیر عطا فرمائے۔

الفاظِ قرآنی کا تحریری اختلاف

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اگرچہ مجھے یہ بات معلوم تھی کہ سیّدی دباغ کو قرآن مجید کا ایک پارہ بھی مکمل

یاد نہیں ہے اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ آپ میرے سوال کا صحیح جواب دے سکتے ہیں لیکن پھر بھی میں نے امتحان کے طور پر آپ سے سوال کیا۔ (قرآن میں استعمال ہونے والے) لفظ ''بایید'' میں کون سی ''ی'' زائد ہے؟ پہلی یا دوسری؟ آپ نے فرمایا: دوسری' میں نے آپ کو شک کا شکار کرنا چاہا مگر آپ نے پھر پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ فرمایا: دوسری! (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) شیخ ابوعبداللہ الخراز نے بھی یہی بات بیان کی ہے (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) ایک مرتبہ میں نے (قرآن میں استعمال ہونے والے لفظ ''ملاۂ'' کے بارے میں دریافت کیا: اس لفظ میں ''الف'' اور ''ہمزہ'' میں کون سا حرف زائد ہے؟ آپ نے فرمایا: ''الف۔'' (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اسی طرح میں نے اور بھی بہت سے الفاظ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ان سوالات کے مکمل طور پر درست جوابات یوں عنایت کیے جیسے کوئی ماہر حافظ جواب دیتا ہے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے سوال کیا' ہم آپ کے اس بیان کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ قرآن مجید کا رسم الخط توقیفی ہے لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوگا کہ قرآن مجید کو قیاسی (مروجہ) رسم الخط کے مطابق لکھنے میں کیا حرج ہے؟ (یعنی عام محاورے کے مطابق) حروف کو شامل یا حذف کر لیا جائے؟ سیّدی دباغ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کے قدیم کلام میں مخصوص اسرار پائے جاتے ہیں اور کتابت میں بھی مخصوص اسرار پائے جاتے ہیں اس لیے جو شخص قرآن مجید کو (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ) توقیفی طرز تحریر کے مطابق لکھے گا اس میں تمام اسرار موجود ہوں گے لیکن جو شخص قیاسی طرز تحریر کے مطابق اسے لکھے گا اس کی تحریر میں اسرار کم ہو جائیں گے۔ اب یہ تحریر اس شخص کی تحریر شمار ہوگی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کلمات قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس کے بعد سیّدی دباغ نے ایک مثال کے ذریعے اس بات کی وضاحت فرمائی۔ ایک شخص ''کان'' کو ''کون'' کی شکل میں لکھ دیتا ہے اور اس کے نزدیک اس رسم الخط میں لکھنے میں ایک مخصوص راز موجود ہے پھر ایک اور شخص آ کر اور اس رسم الخط کو دیکھ کر یہ اصرار کرتا ہے کہ میں اس لفظ کو ''کان'' کی شکل میں ہی تحریر کروں گا تو گویا اب اس نے پہلے شخص کے طرز تحریر میں موجود مخصوص ''سر'' کو نظر انداز کر دیا ہے۔ کیونکہ پہلے شخص کا مقصد یہ تھا کہ وہ لفظ ''کون'' کے اندر ''کان'' اور ''کون'' دونوں کے اسرار کو جمع کر دے یعنی ''کون زید'' لکھنے کا مفہوم یہ ہوگا ''کان زید و کونہ اللہ تعالیٰ'' (زید موجود تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے وجود عطا کیا ہے) بالکل اسی طرح جو شخص ''الصلوٰۃ' الزکوٰۃ' الحیوۃ کو الصلاۃ' الزکاۃ' الحیاۃ'' لکھے گا۔ وہ بھی ان الفاظ کے اسرار میں کمی کا مرتکب ہوگا۔

رسم الخط کا متواتر نہ ہونا

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے دریافت کیا: اگر قرآن کا رسم الخط توقیفی ہے اور اس رسم الخط کی مثال بھی الفاظِ قرآن کی مانند ہے جو مِن وعَن وحی کے مطابق ہیں تو الفاظ قرآن کی طرح یہ رسم الخط بھی تواتر کے ساتھ منقول ہونا چاہئے تاکہ الفاظ قرآن کی طرح رسم الخط میں بھی کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے؟ کیونکہ قرآن کا ہر ایک حرف تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ جس میں کسی اختلاف یا اضطراب کی کوئی گنجائش موجود

نہیں ہے جبکہ رسم الخط اخبار آحاد سے منقول ہے جیسا کہ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں اس بات کی تصریح کی گئی ہے اور جو چیز بھی اخبار آحاد کے طور پر منقول ہوگی اس میں اضطراب واقع ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کا رسم الخط نقل کرنے والے حضرات کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے جس کا بالواسطہ نتیجہ یہ ہوگا کہ امت نے وحی کے ایک حصے (یعنی قرآن کے طرز تحریر) کو ضائع کر دیا ہے اور یہ کیسے ممکن ہے؟

سیّدی دباغ نے جواب دیا: امت نے وحی کے کسی ایک حصے کو بھی ضائع نہیں کیا اور الفاظ و طرز تحریر دونوں کے حوالے سے قرآن مجید مکمل طور پر محفوظ ہے اور اہل عرفان و مشاہدہ نے قرآن کے الفاظ اور ان کے مخصوص طرز تحریر کو یاد کر رکھا ہے اور اس میں ایک بال کے برابر بھی فرق نہیں آنے دیا کیونکہ یہ حضرات مشاہدے کے ذریعے ان علوم سے واقف ہوتے ہیں اس لیے یہ مشاہدہ تواتر سے زیادہ مستند ہوگا۔ جو حضرات کشف نہیں رکھتے انہوں نے قرآن کے الفاظ کو تو محفوظ رکھا لیکن چند الفاظ کے مخصوص طرز تحریر کو محفوظ نہ رکھ سکے لیکن یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے اور نہ ہی اس صورتحال میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امت نے وحی کے ایک حصے کو ضائع کر دیا۔ بعض صوفیاء کا قرآن کے مخصوص طرز تحریر سے واقف ہونا اور اکثر علماء کا ان سے ناواقف ہونا بالکل اسی طرح ہوگا جیسے اکثر مسلمان قرآن کے حافظ نہیں ہوتے لیکن بعض حفاظ کی موجودگی ہی قرآن کی حفاظت کیلئے کافی ہے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) سیّدی دباغ کا یہ جواب نہایت خوبصورت ہے۔ آپ نے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اسرار بیان کیے جنہیں ہم طوالت کے خوف سے یہاں تحریر نہیں کریں گے۔

حضرت عثمانِ غنی کے قول کی تشریح

جہاں تک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس قول کا تعلق ہے کہ قرآن مجید میں ''لحن'' پایا جاتا ہے اور عرب خود ہی اسے درست کر لیں گے تو یہ روایت حدیث مرسل ہے اس کے علاوہ اس کی سند بھی مشکوک ہے۔ شیخ ابوبکر باقلانی نے اس روایت کو مسترد کیا ہے۔ اسی طرح دیگر اہل علم بھی اس روایت کو قابل اعتماد قرار نہیں دیتے جن میں سے ایک شیخ ابوعمرو الدانی المقری ہیں جنہوں نے اپنی تصنیف ''المقنع'' میں یہ بات تحریر کی ہے:

''اگر کوئی شخص آپ کے سامنے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ قول پیش کرے جس کے ظاہری معنی کے مطابق قرآن مجید کے رسم الخط میں غلطی پائی جاتی ہے تو آپ اسکے جواب میں یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ یہ روایت مستند نہیں ہے اس میں ایک خامی یہ ہے کہ اس کی سند اور روایت کے الفاظ میں اضطراب پایا جاتا ہے کیونکہ اس روایت کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے عکرمہ اور ابن یعمر نے روایت کیا ہے حالانکہ یہ دونوں حضرات کبھی بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے نہیں ملے۔ نیز اس روایت کے الفاظ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ حضرت عثمان غنی کا کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ اس روایت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دینی حمیت قابل

اعتراض ہے حالانکہ آپ کی دینی حمیت، مرتبہ و مقام، اسلام اور اہل اسلام کیلئے آپ کی خیر خواہی ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ یہ بات عقل سے ماورا ہے کہ آپ امت کی بہتری کیلئے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر ''جمع قرآن'' کا کام تو پورے اہتمام کے ساتھ سرانجام دیں لیکن اس میں ''لحن'' کی غلطیاں چھوڑ دیں اور ان غلطیوں کی اصلاح ان لوگوں کے سپرد کر دیں جو مقام و مرتبہ کے اعتبار سے کسی بھی طرح آپ کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے اس لیے ایسی بات کرنا یا اس بات کو درست سمجھنا بالکل غلط ہے۔''

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اس کے بعد شیخ المقری نے اس روایت کی سند پر تفصیل سے بحث کی۔ اسی طرح ''الانتصار'' میں زیادہ بہتر انداز میں اس بات کی تردید کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ شیخ ابوالقاسم الشاطبی اپنی کتاب ''العقیلہ'' میں تحریر کرتے ہیں:

ومن روی ستقیم العرب السنها　　لحنا به قول عثمان فما شهرا

(عرب خود ہی لحن کی غلطی کو دور کر لیں گے جس میں اس بات کو حضرت عثمان سے منسوب کیا گیا ہے وہ ایک غیر مستند روایت ہے۔)

اس کتاب کی شرح میں شیخ الجعبری لکھتے ہیں: یہ روایت درست نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ حالانکہ اس روایت کے الفاظ میں بھی اضطراب پایا جاتا ہے کیونکہ ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان غنی نے اس رسم الخط میں قرآن کو تحریر کرنے والوں کی تعریف کی تھی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عثمان غنی ایک غلط کام پر کسی کی تعریف کریں۔ اگر حضرت عثمان غنی کے قول سے یہ مراد لی جائے کہ صحابہ کرام خود ہی ان کی طرف رجوع کر لیں گے تو یہ بات بھی مشکوک ہے کیونکہ اس صورت میں دور لازم آئے گا۔ اگر مصحف سے مراد جنس لی جائے تو یہ ایک قابل اعتراض بات ہوگی لیکن اگر اس سے صرف ایک مخصوص مصحف مراد ہو تو ہم نے وہ مصحف دیکھا ہی نہیں جس میں لحن کا اختلاف موجود تھا لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے ہر نسخے کے اندر کوئی لحن موجود نہیں ہے۔ فصاحت اور کتابت کا تعلق قبیلہ قریش کے ساتھ تھا۔ دیگر تمام قبائل قریش ہی سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن میں موجود لحن کی درستگی کو دیگر قبائل کے سپرد کر دیا جائے۔ یہاں تک شیخ الجعبری کا کلام تھا (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اگر اس روایت کو مسترد کر دیا جائے تو معاملہ آسان ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ شیخ ابوالحسن القابسی پر رحم فرمائے کہ انہوں نے شیخ استاذ ابوبکر بن فورک پر اعتراض کرتے ہوئے یہ بات تحریر کی ہے کہ شیخ ابن فورک باطل روایات کی بھی توجیہہ پیش کر دیتے ہیں۔ القابسی فرماتے ہیں: احادیث کے مشکل مقامات کی تشریح صرف اسی وقت کی جا سکتی ہے جب حدیث صحیح ہو، کسی بھی باطل قول کو مسترد کرنے کیلئے یہی بات کافی ہے کہ وہ قول باطل ہے۔ جہاں تک شیخ ابوبکر کے اس قول کا تعلق ہے کہ کتاب و سنت اور اجماع و قیاس میں کوئی ایک دلیل بھی ایسی نہیں ہے جس کے ذریعے کسی مخصوص رسم الخط کو لازم قرار دیا جا سکے تو

اس بات کا جواب ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسم الخط کی بنیاد اصطلاح ہے اور جب یہ رسم الخط توقیفی ہوگا تو قرآن کی یہ آیت اس رسم الخط کی اتباع کے وجوب پر دلالت کرے گی:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر ۵۹:۷)

''اور جو کچھ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں عطا فرمائیں سو اُسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اُس سے) رُک جایا کرو۔''

شارع نے ایک مخصوص رسم الخط کو متعین کیا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دیا ہے اس لیے کوئی بھی دوسرا رسم الخط وہ مخصوص معانی ادا نہیں کر سکے گا جو شارع کا اصل مقصد ہیں۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص طرز تحریر کی تعلیم دینا بھی ایک دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو کسی مخصوص طرز تحریر میں لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مخصوص طرز تحریر کو برقرار رکھنا بھی حدیث تقریری کی حیثیت رکھتا ہے۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قرآن مجید کے رسم الخط میں کسی بھی طرح کی تبدیلی جائز نہیں ہے۔ شیخ ابوعمرو الدانی اپنی کتاب ''المقنع'' میں روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام مالک سے دریافت کیا گیا کہ قرآن مجید کے رسم الخط میں ہمارے مروجہ طرز تحریر کے مطابق تبدیلی کرنا جائز ہے؟ تو امام مالک نے اسے ناجائز قرار دیا۔ شیخ ابوعمرو فرماتے ہیں: علماء امت میں سے کسی ایک نے بھی امام مالک کی اس رائے سے اختلاف نہیں کیا۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ایک روایت کے مطابق امام مالک سے قرآن مجید کے بعض زائد حروف مثلاً ''الف'' ''واؤ'' کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا انہیں تبدیل کرنا جائز ہے؟ تو امام مالک نے فرمایا: نہیں۔ شیخ ابوعمرو فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ ''الف'' یا ''واؤ'' ہیں جو بعض الفاظ میں زائد طور پر لکھ دیئے جاتے ہیں۔

جیسے اولئك، اولی، اولات وغیرہ میں حرف ''و'' زائد ہے۔

لن ندعوا، قتلوا، اوضعوا، لا اذبحنه، مائة، مائتين وغیرہ میں ''الف'' زائد ہے۔

نبائ المرسلين اور ملاہ وغیرہ میں ''ی'' زائد ہے۔

شیخ الجعبری نے بطور خاص امام مالک کا قول اس لیے نقل کیا ہے کیونکہ وہ خود بھی مالکی ہیں۔ اس موضوع پر گفتگو نہایت طویل ہو سکتی ہے یہاں تک کہ صرف اس موضوع پر ایک یا دو کتابیں تحریر بھی کی جا سکتی ہیں لیکن چونکہ ہمارا مقصد صرف سیّدی دباغ کے ملفوظات کو جمع کرنا ہے اس لیے ہم اپنے اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

(احمد بن مبارک فرماتے ہیں) 49 انوار، 29 حروف تہجی میں کس طرح تقسیم ہوں گے اور کن مقامات پر ''مدّ'' اور ''حروف زائدہ'' کا اعتبار کیا جائے گا۔ نیز کون سے حرف کے کون سے مخصوص انوار ہیں؟ اس کی وضاحت ہم کر چکے ہیں۔ اب ہم تین حرکات یعنی زبر، زیر، پیش کے اسرار بیان کریں گے۔ اس کے علاوہ جزم

(جو حرکت کی ضد ہوتی ہے) کے اسرار بھی بیان کریں گے۔

زبر کا تعلق حرف رسالت کے ساتھ ہے جبکہ زیر کا تعلق حرف آدمیت کے ساتھ ہے اور پیش اور جزم کا تعلق حرف قبض کے ساتھ ہے۔ کسی حرف قبض پر اگر جزم یا پیش ہو تو گویا اس میں دو اعتبار سے ''حرف قبض'' پایا جائے گا لیکن اگر کوئی حرف تہجی، حرف قبض سے متعلق نہ ہو اور اس پر پیش یا جزم موجود ہو تو حرف تہجی اپنے مخصوص انوار کی طرف منسوب ہوگا جبکہ جزم یا پیش کی نسبت ''حرف قبض'' کے ساتھ ہوگی جیسے ''ث، ش، ہ'' حرف قبض سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ان حروف پر جزم یا پیش آ جائے تو ان میں دو اعتبار سے ''قبض'' پائی جائے گی۔ لیکن اگر حرف تہجی کا تعلق صرف قبض کے ساتھ نہ ہو جیسے ''ب، ت'' وغیرہ تو اس صورت میں اگر ان پر جزم یا پیش آ جائے تو صرف اس جزم یا پیش کا تعلق حرف قبض کے ساتھ ہوگا۔

اسی طرح حرف رسالت کے ساتھ تعلق رکھنے والے حروف تہجی پر اگر زبر آ جائے تو ان میں حرف رسالت کے دو اجزاء پائے جائیں گے۔ اسی طرح اگر حرف آدمیت کے ساتھ تعلق رکھنے والے کسی حرف تہجی پر زیر آ جائے تو اس میں حرف آدمیت کے دو اجزاء پائے جائیں گے۔ البتہ حرف نبوت، حرف بسط، حرف روح اور حرف علم کا کسی حرکت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ پیش کا تعلق حرف قبض کے ساتھ، زبر کا تعلق حرف رسالت کے ساتھ اور زیر کا تعلق حرف آدمیت کے ساتھ ہے جبکہ جزم کا تعلق حرف قبض کے ساتھ ہے لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ حرکات اور سکون کے ساتھ صرف تین حروف یعنی قبض، رسالت اور آدمیت متعلق ہیں۔

پیش کی اقسام

پیش کا تعلق حرف قبض کے ساتھ ہے، حرفِ قبض کے سات اجزاء کی مانند ''پیش'' کی بھی سات قسمیں ہونگی۔

ھدی، متقین، یومنون، الحمدللہ، نعبد، نستعین میں موجود پیش کا تعلق حرف قبض کے اس جز کے ساتھ ہے جو انسان کے پورے جسم میں موجود ہوتا ہے اور اس کے باعث انسان بھلائی سے لذت اور شر سے نفرت حاصل کرتا ہے۔

کفروا، الکافرون، الظالمون میں موجود پیش کا تعلق (حرف قبض کے جز) ''ضد کے ساتھ نفرت'' سے ہے۔

انزل اور اس جیسے الفاظ میں موجود پیش کا تعلق ''امتثال'' کے ساتھ ہے۔

اولئك میں آنے والی پیش، اپنی جنس کی طرف میلان سے متعلق ہے۔

خرجوا، اخرجوھم میں موجود پیش کا تعلق ''گرفت کی مضبوطی کے ساتھ'' ہے (جو حرف قبض کا ایک جز ہے)

''اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ'' کا تعلق ایسے حق کے ساتھ ہے جس میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

"قال اللہ" میں موجود پیش کا تعلق "حق بات کہنے میں حیانہ کرنے کے ساتھ" ہے۔

اسی طرح جزم کی بھی سات قسمیں ہونگی۔

"الحمد" میں آنے والی جزم جسم میں موجود حسن کیلئے مخصوص ہوگی۔

"العالمین" میں موجود جزم انصاف کیلئے ہوگی۔

"الرحمن" میں موجود جزم امتثال امر کے لیے ہوگی۔

"نعبد" کی جزم قوت گرفت کی مضبوطی کیلئے ہوگی۔

"اھدنا" کی جزم ضد سے نفرت کیلئے ہوگی۔

"غیر" کی جزم قول حق کی ادائیگی میں عدم حیاء کیلئے ہوگی۔

"ربھم" کی جزم اپنی جنس کی طرف میلان کیلئے ہوگی۔

زبر کی سات اقسام

اسی طرح زبر کی بھی سات قسمیں ہونگی لیکن ان کا تعلق حرف رسالت کے اجزاء کے ساتھ ہوگا۔

"الحمد" میں "ا" پر آنے والی زبر مشاہدے کیلئے اور "ح" پر آنے والی زبر "سکینت" کیلئے ہوگی۔

"العالمین" کے "ن" کا زبر حیات اہل جنت کے لئے جبکہ "یوم" میں "ی" پر آنے والی زبر صدق کیلئے ہوگی۔

"ایاك" میں "ک" پر آنے والی زبر کا تعلق اور علیھم میں "ع" اور "ل" پر موجود زبر کا تعلق علم کامل کے ساتھ ہے۔

"نستعین" میں "ت" کی زبر اور "الصراط" میں "ص" پر آنے والی زیر کا تعلق جسم میں روح کی برضا ورغبت قیام کے ساتھ ہے۔

"عبدك، عبادك، اولئك" میں "ک" پر آنے والی زبر کا تعلق زندگی ہی میں مرجانے کی کیفیت کے ساتھ ہے۔

زیر کی سات اقسام

حرفِ آدمیت کے اجزاء کے اعتبار سے زیر کی سات قسمیں ہونگی۔

"للہ" میں "ل" پر آنے والی زیر بلکہ ہر وہ لام جو کلمے کے آغاز یا درمیان میں آئے اس پر آنے والی زیر باطنی حسن کے کمال کیلئے ہوگی۔

"رب" میں آنے والی زیر عقل کامل کیلئے ہے۔

"العالمین" میں "م" پر آنے والی زیر ظاہری حواس کے کمال کیلئے ہے۔

"الرحمن" کے آخر میں آنے والی زیر باطنی صورت کے کمال کیلئے ہے۔

"مالک" کے آخر میں آنے والی زیر ظاہری صورت کے کمال کیلئے ہے۔

"الدین" کے آخر میں آنے والی زیر شیطانی اثرات کو دور کرنے کیلئے ہے۔

جب یہ بات آپ کے سامنے واضح ہوگئی کہ تمام حروف' حرکات یہاں تک کہ "مد" کے مختلف مراتب بھی سات باطنی انوار سے باہر نہیں ہیں تو اب آپ کو اس حدیث کا مفہوم بآسانی سمجھ میں آجائے گا:

"بے شک قرآن کو سات حروف پر نازل کیا گیا ہے" (صحیح بخاری' ۲:۸۵۱' رقم: ۲۲۸۷)

علم قرأت کے ماہرین کے درمیان پایا جانے والا اختلاف بھی اس حدیث کے مفہوم سے خارج نہیں ہوگا۔ اس کی وضاحت ہم سورہ فاتحہ کی تشریح کے ضمن میں کرتے ہیں۔

الحمدللہ کی تفسیر:

الحمدللہ میں حرف آدمیت کے تین اجزاء موجود ہیں۔ "م" ذکوریت کیلئے "ہ" پر آنے والی زیر بھی ذکوریت کیلئے "ل" پر آنے والی زیر باطنی حس کے کمال کیلئے ہے۔

اس میں حرف نبوت کا ایک جز موجود ہے جو "ح" میں ہے اور یہ جز رحمت ہے۔ اس میں "د" میں حرف روح کا ایک جز طہارت موجود ہے۔

اس میں حروف' حرکات اور جزم کے اعتبار سے حرف قبض کے پانچ اجزاء موجود ہیں۔

"ا" یہ امثال امر کیلئے ہے جو حرف قبض کا جز ہے۔ "ل" پر موجود جزم حاسہ ساریہ کیلئے ہے۔ "م" پر موجود جزم بھی حاسہ ساریہ کیلئے ہے۔ "د" پر پیش بھی حاسہ ساریہ کیلئے ہے غرضیکہ سورۃ فاتحہ میں موجود ہر پیش حاسہ ساریہ کیلئے ہے۔ "ہ" ضد کے ساتھ نفرت کیلئے ہے اور یہ تمام اجزاء حرف قبض سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس میں حرف رسالت کے 6 اجزاء موجود ہیں۔

"ا" پر آنے والی زبر مشاہدے کیلئے ہے۔ "ل" علم کامل کیلئے ہے۔ "ح" پر آنے والی زبر سکینت کیلئے ہے۔ "ل" پر آنے والی زیر بھی علم کامل کیلئے ہے۔ مشدد "ل" بھی علم کامل کیلئے ہے۔ اس پر مشدد زبر مشاہدے کیلئے ہے۔ سورۃ فاتحہ میں ہر وہ مشدد حرف جس پر زبر موجود ہو مشاہدے کیلئے ہوگا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اس میں حرف آدمیت کے تین' حرف نبوت کا ایک' حرف روح کا ایک' حرف قبض کے پانچ اور حرف رسالت کے چھ اجزاء موجود ہیں۔

"ا" میں حرف کے اعتبار سے قبض ہوگا اور اس پر حرکت کے اعتبار سے حرف رسالت موجود ہوگا جبکہ "ل" میں اس کے برعکس حرف کے اعتبار سے حرف رسالت موجود ہوگا اور جزم کی بدولت حرف قبض موجود ہوگا۔ "ح" میں حرف کے اعتبار سے حرف نبوت اور اس پر موجود حرکت کے اعتبار سے حرف رسالت ہوگا۔ "م" میں حرف کے اعتبار سے حرف آدمیت اور اس پر موجود جزم کے اعتبار سے حرف قبض موجود ہوگا۔ "د" میں حرف کے اعتبار

سے حرف روح اور اس پر موجود حرکت کے اعتبار سے حرف قبض ہوگا۔ پہلے ''ل'' میں حرف کے اعتبار سے حرف رسالت اور اس پر موجود حرکت کے اعتبار سے حرف آدمیت ہوگا۔ دوسری ''ل'' جو مشدد ہے اس میں حرف کے اعتبار سے حرف رسالت اور حرکت کے اعتبار سے بھی حرف رسالت ہوگا۔ ''ہ'' میں حرف کے اعتبار سے حرف قبض اور حرکت کے اعتبار سے حرف آدمیت ہوگا۔

رب العالمین کی تفسیر:

اس میں حرف آدمیت کے چار اجزاء موجود ہیں۔ ''ب'' کے نیچے آنے والی زیر عقل کامل کیلئے ''ع'' کے بعد آنے والا ''ا'' حس ظاہری کے کمال کیلئے ''م'' ذکوریت کیلئے اور اس پر موجود زیر ظاہری حواس کے کمال کیلئے ہوگی اور یہ سب حرف آدمیت کے اجزاء ہیں۔

اس میں حرف قبض کے دو اجزاء پائے جاتے ہیں: ہمزہ فصل امتثالِ امر کیلئے اور ''ل'' ساکن (جو ''ال'' میں موجود ہے) انصاف کیلئے ہے۔ یہ دونوں حرف قبض کے اجزاء ہیں۔

اس میں حرف بسط کے بھی دو اجزاء پائے جاتے ہیں: ''ر'' حسن تجاوز کیلئے اور ''ن'' فرح کامل کیلئے۔ اس میں حرف نبوت کا ایک جز پایا جاتا ہے اور وہ ''ع'' ہے جو حرف نبوت کے جز عفو کیلئے مخصوص ہے۔ اس میں حرف رسالت کے آٹھ اجزاء پائے جاتے ہیں: ''ر'' پر موجود زبر اور ''ب'' سکینت کیلئے ہیں۔ ''ا'' پر زبر مشاہدہ کیلئے ہے۔ ''ل'' علم کامل کیلئے ہے۔ ''ع'' پر زبر سکینت کیلئے ہے پھر ''ل'' علم کامل کیلئے ہے اور اس پر موجود زیر مشاہدہ کیلئے ہے۔ ''ن'' پر موجود زبر اہل جنت کی مانند زندگی بسر کرنے کیلئے ہے اور یہ سب حرف رسالت کے اجزاء ہیں۔

اس میں حرف علم کا ایک جز پایا جاتا ہے اور وہ (العالمین میں موجود) ''ی'' ہے کیونکہ یہ تمام جہات کے سامنے کی جہت میں سمٹ جانے کیلئے مخصوص ہے اور یہ حرف علم کا ایک جز ہے۔

(نتیجہ یہ نکلا کہ) ''ر'' میں حرف کے اعتبار سے حرف بسط اور حرکت کے اعتبار سے حرف رسالت پایا جاتا ہے۔

''ب'' میں حرف کے اعتبار سے حرف رسالت اور حرکت کے اعتبار سے حرف آدمیت پایا جاتا ہے۔

''ا'' میں حرف کے اعتبار سے حرف قبض اور حرکت کے اعتبار سے حرف رسالت پایا جاتا ہے۔

''ل'' میں حرف کے اعتبار سے حرف رسالت اور سکون کے اعتبار سے حرف قبض پایا جاتا ہے۔

''ع'' میں حرف کے اعتبار سے حرف نبوت اور حرکت کے اعتبار سے حرف رسالت پایا جاتا ہے۔

''ا'' میں حرف آدمیت پایا جاتا ہے۔

''ل'' میں حرف کے اعتبار سے حرف رسالت اور حرکت کے اعتبار سے بھی حرف رسالت پایا جاتا ہے۔

''م'' میں حرف کے اعتبار سے حرف آدمیت اور حرکت کے اعتبار سے بھی حرف آدمیت پایا جاتا ہے۔

''ی'' میں حرف علم پایا جاتا ہے۔

''ن'' میں حرف کے اعتبار سے حرف بسط اور حرکت کے اعتبار سے حرف رسالت پایا جاتا ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کی تفسیر

اس میں آدمیت کے پانچ اجزاء پائے جاتے ہیں:

''م'' ذکوریت کیلئے ''ن'' پر آنے والی زیر باطنی صورت کے کمال کیلئے ''ح'' پر آنے والی زیر ظاہری حسن کے کمال کیلئے ''م'' پھر ذکوریت کیلئے اس پر آنے والی زیر عقل کے کمال کیلئے ہوگی اور یہ سب حرف آدمیت کے اجزاء ہیں۔ اس میں حرف قبض کے بھی پانچ اجزاء موجود ہیں:

''ا'' امتثال امر کیلئے ''ل'' ساکن ''حاسہ ساریہ'' کیلئے ''ح'' ساکن امتثال قول حق کیلئے ''ا'' پھر امتثال امر کیلئے ''ل'' ساکن پھر حاسہ ساریہ کیلئے یہ سب حرف قبض کے اجزاء ہیں۔

اس میں حرف بسط کے تین اجزاء موجود ہیں:

''ر'' حسن تجاوز کیلئے ''ن'' فرح کامل کیلئے دوسری ''ر'' حسن تجاوز کیلئے

اس میں حرف نبوت کے دو اجزاء پائے جاتے ہیں:

''ح'' دو مرتبہ استعمال ہوئی اور دونوں مرتبہ کامل رحمت کیلئے' جو حرف نبوت کا ایک جز ہے۔ اس میں حرف رسالت کے سات اجزاء موجود ہیں۔

''ا'' پر زبر مشاہدے کیلئے ''ل'' علم کامل کیلئے' مشدد ''ر'' پر زبر مشاہدے کیلئے ''م'' پر زبر ہر ایک کے ساتھ سچائی کیلئے ''ا'' پر زبر مشاہدے کیلئے ''ل'' علم کامل کیلئے' مشدد ''ر'' پر زبر مشاہدے کیلئے۔

اگر بعد والے حرف (ر) میں مدغم ہونے کے باعث دونوں ''ل'' کو نکال دیا جائے تو پھر یہاں پر حرف رسالت کے پانچ اجزاء باقی رہ جائیں گے۔ اس صورت میں یہاں سے حرف رسالت کے دو اور حرف قبض کے بھی دو اجزاء ساقط ہو جائیں گے۔

اس میں حرف علم کا صرف ایک جز موجود ہے۔ (الرحیم میں آنے والی) ''ی'' جسے کھینچ کر ادا کیا جاتا ہے اور یہ تمام جہات کے سامنے کی جہت میں سمٹ آنے کیلئے مخصوص ہے۔

''م'' کے بعد آنے والی ''ا'' حواس ظاہری کے کمال کیلئے ہے اس لیے یہاں پر حرف آدمیت کے ایک جز کا اضافہ ہو جائے گا۔

حرف اور حرکت کے اعتبار سے کون سے حرف تہجی کے ساتھ کون سا نورانی حرف متعلق ہوگا اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی تفسیر:

اس میں حرف آدمیت کے سات اجزاء پائے جاتے ہیں:

''م'' ذکوریت کیلئے ''ل'' پر موجود زیر باطنی حواس کے کمال کیلئے ''ک'' پر موجود زیر ظاہری صورت کے کمال کیلئے ''م'' ذکوریت کیلئے اس پر موجود زیر ظاہری حواس کے کمال کیلئے ''د'' پر موجود زیر باطنی صورت کے کمال کیلئے ''ن'' پر موجود زیر شیطانی اثرات کو دور کرنے کیلئے۔

یہ تقسیم اس وقت ہوگی جب آپ قصر کے طور پر پڑھیں گے۔ (یعنی ملک پڑھیں گے) اگر آپ ''مد'' کے ساتھ پڑھیں گے (یعنی مالک پڑھیں گے) اور ''م'' کے بعد ''ا'' کا اضافہ کر دیں گے تو اس صورت میں حرف آدمیت کے اجزاء آٹھ ہو جائیں گے کیونکہ ''ا'' باطنی حواس کے کمال کیلئے استعمال ہوا ہے کیونکہ جب بھی ''ا'' ممدودہ ضمیر متکلم کے طور پر استعمال نہیں ہوگا وہ ہمیشہ باطنی حواس کے کمال کیلئے استعمال ہوگا۔

اس میں حرف قبض کا ایک جز استعمال ہوا ہے اور وہ ساکن ''و'' ہے جو حاسہ ساریہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جس ''ل'' کو (لفظ ''الدین'') ''د'' میں مدغم کر دیا گیا ہے اس پر موجود جزم لغو شمار ہوگی۔

اس میں حرف بسط کا بھی ایک جز موجود ہے یعنی ''ن'' فرح کامل کیلئے استعمال ہوا ہے۔

اس میں حرف نبوت کے دو اجزاء موجود ہیں۔ ''ک'' معرفت الٰہی اور ''ی'' خوف تام کیلئے استعمال ہوا ہے۔ اس میں حرف روح کا ایک جز ہے یعنی ''د'' طہارت کیلئے استعمال ہوا ہے۔

اس میں حرف رسالت کے تین اجزاء ہیں۔ ''ل'' علم کامل کیلئے ''ال'' کا ''ا'' اور ''ل'' دونوں ساقط ہوں گے۔ ''م'' پر موجود زبر صدق کیلئے اور ''ی'' پر موجود زبر بھی صدق کیلئے استعمال ہوئی ہے۔

اس میں حرف علم کے دو اجزاء موجود ہیں۔ ''و'' زندگی میں ہی مر جانے اور ''ی'' تمام جہات کے سامنے کی جہت میں سمٹ آنے کیلئے استعمال ہوا ہے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ:

اس میں حرف آدمیت کے چھ اجزاء موجود ہیں:

''ا'' پر زیر کمال عقل کیلئے مدوالا ''ا'' ظاہری حواس کے کمال کیلئے ''ایاک'' میں ''ا'' پر زیر اور (نستعین میں) ''ت'' ظاہری حواس کے کمال کیلئے اور ''ع'' پر آنے والی زیر باطنی حس کے کمال کیلئے ہے۔

اس میں حرف قبض کے چھ اجزاء موجود ہیں:

پہلا ''ا'' امتثال امر کیلئے ''ع'' پر جزم گرفت کی مضبوطی کیلئے ''ب'' پر پیش حاسہ ساریہ کیلئے ''د'' پر پیش بھی حاسہ ساریہ کیلئے ''س'' پر جزم امتثال امر کیلئے اور ''ن'' پر پیش حاسہ ساریہ کیلئے۔

اس میں حرف بسط کے چار اجزاء پائے جاتے ہیں:

تین ''ن'' فرح کامل کیلئے اور ''س'' عاجزی وانکساری کیلئے۔

اس میں حرف نبوت کے چھ اجزاء پائے جاتے ہیں

''ی'' مکمل خوف کیلئے ''ک'' معرفت الٰہیہ کیلئے ''ع'' عفو کیلئے۔ (نستعین میں بھی) یہی تینوں حروف

ہیں۔

اس میں حرف روح کا صرف ایک جز پایا جاتا ہے یعنی ''د'' طہارت کیلئے استعمال ہوا ہے۔ اس میں حرف رسالت کے دس اجزاء استعمال ہوئے ہیں۔

''ی'' پر آنے والی زبر ہر ایک کے ساتھ سچائی کیلئے ''ک'' پر آنے والی زبر علم کامل کیلئے ''ن'' پر آنے والی زبر اہل جنت کی مانند زندگی بسر کرنے کیلئے ''ی'' سکینت کیلئے ''و'' زندگی میں ہی مر جانے کیلئے اس پر موجود زبر مشاہدے کیلئے ''ی' ک اور ن'' پر زبر کا حکم حسب سابق ہوگا۔ ''ی'' پر موجود زبر روح کے برضا و رغبت جسم میں قیام کیلئے ہے۔

اس میں حرف علم کا صرف ایک جز موجود ہے اور وہ ''مد'' والی ''ی'' ہے جو کونین سے متعلق علوم کی معرفت سے متعلق ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ:

اس میں حرف آدمیت کے 19 اجزاء موجود ہیں:

''ا'' پر زیر کمال عقل کیلئے ''د'' پر زیر باطنی صورت کے کمال کیلئے ''ص'' کمال عقل کیلئے اس پر موجود زیر باطنی حس کے کمال کیلئے ''مد'' والا ''ا'' باطنی حس کے کمال کیلئے ''م'' ذکوریت کیلئے ''ت'' ظاہری حس کے کمال کیلئے ''ق'' پر موجود زیر ظاہری حواس کے کمال کیلئے اور آخری ''م'' ذکوریت کیلئے۔

اس میں حرف قبض کے آٹھ اجزاء موجود ہیں:

''ا'' امتثال امر کیلئے ''ہ'' ضد سے نفرت کیلئے ''ہ'' پر موجود جزم بھی ضد سے نفرت کیلئے۔ ''ہمزہ وصل'' امتثال امر کیلئے (الصراط اور المستقیم میں) دو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ ''ل'' پر موجود جزم حاسہ ساریہ کیلئے ''م'' پر موجود پیش حاسہ ساریہ کیلئے اور ''س'' پر موجود جزم انصاف کیلئے۔

اس میں حرف بسط کے تین اجزاء موجود ہیں:

''ن'' فرح کامل کیلئے ''ر'' حسن تجاوز کیلئے ''س'' عاجزی و انکساری کیلئے (یہ اس صورت میں ہوگا جب ''ص'' کی قرأت کی جائے) اگر ''ص'' کی بجائے ''س'' کی قرأت کی جائے تو اس میں بسط کے اجزاء چار ہوں گے۔

اس میں حرف نبوت کا کوئی جز موجود نہیں ہے۔

اس میں حرف روح کے تین اجزاء موجود ہیں:

''د'' طہارت کیلئے ''ط'' تمیز کیلئے ''ق'' کامل بصیرت کیلئے۔

اس میں حرف رسالت کے آٹھ اجزاء موجود ہیں:

''ن'' پر موجود زبر اہل جنت کی مانند زندگی بسر کرنے کیلئے ''ا'' پر موجود زبر مشاہدے کیلئے ''ر'' پر زبر

سکینت کیلئے ''ط'' پر زبر روح کے برضا ورغبت جسم میں قیام کیلئے ''ا'' پر زبر مشاہدے کیلئے ''ل'' علم کامل کیلئے ''ت'' پر زبر سکینت کیلئے اور ''م'' پر زبر بھی سکینت کیلئے۔

اس میں حرف علم کا ایک جز موجود ہے یعنی ''مد'' والی ''ی'' جو تمام جہات کے سامنے کی جہت میں سمٹ آنے کیلئے استعمال ہوئی ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ:

اس میں حرف آدمیت کے آٹھ اجزاء موجود ہیں:

''ص'' کمال عقل کیلئے اس پر موجود زیر باطنی حس کے کمال کیلئے ''مد'' والی ''ا'' ظاہری حس کے کمال کیلئے ''ذ'' پر موجود زیر باطنی حسن کے کمال کیلئے ''م'' ذکوریت کیلئے ''ت'' ظاہری حس کے کمال کیلئے ''ہ'' پر زیر ظاہری حواس کے کمال کیلئے اور ''م'' ذکوریت کیلئے ہے۔

اس میں حرف قبض کے سات اجزا پائے جاتے ہیں:

''انعمت'' کا ''ا'' امتثال امر کیلئے ''ن'' پر موجود جزم حاسہ ساریہ کیلئے ''م'' پر موجود جزم انصاف کیلئے ''ہ'' ضد سے نفرت کیلئے (حمزہ کی قرأت کے مطابق) اس پر موجود پیش اپنی جنس کی طرف میلان کیلئے ''م'' پر موجود جزم بھی اپنی جنس کی طرف میلان کیلئے اور (ابن کثیر کی قرأت کے مطابق) اس پر موجود پیش بھی اپنی جنس کی طرف میلان کیلئے استعمال ہوا ہے۔

اس میں حرف بسط کے چار اجزاء موجود ہیں:

(ایک قرأت کے مطابق) ''صراط'' کی بجائے ''سراط'' کی ''س'' (حمزہ کی قرأت کے مطابق) ''ص'' کو ''ز'' میں اشمام کر کے پڑھا جائے گا۔ لہٰذا اس صورت میں ''ص'' کے باعث اس میں حرف آدمیت کا ایک جز موجود ہوگا اور ''ز'' کے باعث حرف رسالت کا ایک جز موجود ہوگا۔

''ر'' حسن تجاوز کیلئے اور دو مرتبہ ''ن'' فرح کامل کیلئے استعمال ہوا ہے۔

اس میں حرف نبوت کے تین اجزاء موجود ہیں:

دو مرتبہ ''ع'' عفو کیلئے اور ''ی'' پر موجود جزم مکمل خوف کیلئے

اس میں حرف رسالت کے 12 اجزاء موجود ہیں:

''ز'' پر موجود زبر سکینت کیلئے ''ط'' پر موجود زبر روح کے ذات میں قیام کیلئے ''ہمزہ وصل'' پر موجود زبر مشاہدے کیلئے ''ل'' علم کامل کیلئے اس پر موجود زبر مشاہدے کیلئے ''ن'' پر موجود زبر اہل جنت کی مانند زندگی بسر کرنے کیلئے ''ا'' پر موجود زبر مشاہدے کیلئے ''ع'' پر موجود زبر سکینت کیلئے ''ت'' پر موجود زبر علم کامل کیلئے ''ع'' اور ''ل'' کی زبر کا حکم بھی یہی ہے اور آخر میں ''ل'' علم کامل کیلئے۔

اس میں حرف علم کے دو اجزاء موجود ہیں:

''د'' زبانوں کی معرفت کیلئے مدوالی ''ی'' تمام جہات کے سامنے کی جہت میں سمٹ آنے کیلئے۔ اس میں حرف روح کا صرف ایک جز موجود ہے اور وہ ''ط'' ہے جو تمیز کیلئے استعمال ہوا ہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ:

''غ'' ظاہری صورت کے کمال کیلئے استعمال ہوا ہے جو حرف آدمیت کا جز ہے۔

اس پر موجود زبر سکینت کیلئے ہے جو حرف رسالت کا جز ہے۔

''ی'' خوف تام کیلئے ہے جو حرف نبوت کا جز ہے۔

اس پر موجود جزم حق بات کہنے میں حیا نہ کرنے کیلئے ہے جو حرف قبض کا جز ہے۔

''ر'' حسن تجاوز کیلئے ہے اور یہ حرف بسط کا جز ہے۔

اس پر موجود زیر باطنی صورت کے کمال کیلئے ہے جو حرف آدمیت کا جز ہے۔

''ہمزہ وصل'' امتثال امر کیلئے ہے جو حرف قبض کا جز ہے۔

اس پر موجود زبر مشاہدے کیلئے ہے جو حرف رسالت کا جز ہے۔

''ل'' علم کامل کیلئے ہے جو حرف رسالت کا جز ہے۔

اس پر موجود جزم حاسہ ساریہ کیلئے ہے جو حرف قبض کا جز ہے۔

''م'' ذکوریت کیلئے ہے جو حرف آدمیت کا جز ہے۔

اس پر موجود زبر سکینت کیلئے ہے جو حرف رسالت کا جز ہے۔

''غ'' ظاہری صورت کے کمال کیلئے ہے جو حرف آدمیت کا جز ہے۔

اس پر موجود جزم گرفت کی مضبوطی کیلئے ہے جو حرف قبض کا جز ہے۔

''ض'' قول حق کیلئے ہے جو حرف نبوت کا جز ہے۔

اس پر موجود پیش حاسہ ساریہ کیلئے جو حرف قبض کا جز ہے۔

''و'' حق بات کہنے سے شرم نہ کرنے کیلئے ہے جو حرف قبض کا جز ہے۔

''ب'' سکینت کیلئے ہے جو حرف رسالت کا جز ہے۔

اس پر موجود زیر عقل کامل کیلئے ہے جو حرف آدمیت کا جز ہے۔

''ع'' عفو کیلئے ہے جو حرف نبوت کا جز ہے۔

اس پر موجود زبر علم کامل کیلئے ہے جو حرف رسالت کا جز ہے۔

''ل'' علم کامل کیلئے ہے اور یہ حرف رسالت کا جز ہے۔

اس پر موجود زبر بھی علم کامل کیلئے ہے جو حرف رسالت کا جز ہے۔

''ی'' اللہ تعالیٰ کے مکمل خوف کیلئے ہے جو حرف نبوت کا جز ہے۔

اس پر موجود جزم انصاف کیلئے ہے جو حرف قبض کا جز ہے۔

''ہ'' ضد سے نفرت کیلئے ہے اور یہ حرف قبض کا جز ہے۔

اس پر موجود زیر ظاہری حسن کے کمال کیلئے ہے اور یہ حرف آدمیت کا جز ہے۔

ایک قرأت کے مطابق ''ہ'' پر پیش بھی پڑھی گئی ہے۔ اس صورت میں یہ پیش ضد سے نفرت کیلئے استعمال ہوگی۔

''اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ'' میں بھی ''ہ'' پر پیش پڑھی گئی ہے لیکن وہ پیش اپنی جنس کی طرف میلان کیلئے استعمال ہوگی کیونکہ جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوگا انسان ان کی طرف فطری طور پر مائل ہوگا اور جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا ان سے فطری طور پر نفرت ہوگی۔

''م'' ذکوریت کیلئے ہے جو حرف آدمیت کا جز ہے۔

ابن کثیر کی قرأت کے مطابق اس پر پیش پڑھی جائے گی اور یہ پیش ضد سے نفرت کیلئے ہوگی جو حرف قبض کا جز ہے۔ دیگر حضرات کی قرأت کے مطابق اس کو ساکن پڑھا جائے گا۔ اور یہ سکون ضد کے ساتھ نفرت اور زور دینے کیلئے استعمال ہوگا۔

''و'' زندگی میں ہی مر جانے کیلئے ہے اور یہ حرف رسالت کا جز ہے۔

اس پر موجود زبر مشاہدے کیلئے ہے یہ بھی حرف رسالت کا جز ہے۔

''ل'' علم کامل کیلئے ہے جو حرف رسالت کا جز ہے۔

اس پر موجود زبر بھی علم کامل کیلئے ہے۔

''ا'' وصلی امتثال امر کیلئے ہے جو حرف قبض کا جز ہے۔

اس پر موجود زبر مشاہدے کیلئے جو حرف رسالت کا جز ہے۔

''ض'' مشدد قول حق کیلئے ہے جو حرف نبوت کا جز ہے۔

اس پر موجود زبر مشاہدے کیلئے ہے جو حرف رسالت کا جز ہے۔

اگلا ''ا'' چونکہ متکلم کی ذات سے متعلق نہیں ہے اس لیے ''مد'' کے 6 مراتب کے مطابق اس کے 6 مفاہیم ہوں گے:

اگر اسے ایک ''ا'' کے برابر پڑھا جائے تو یہ باطنی صورت کے کمال کیلئے ہوگا۔

اگر اسے دو ''ا'' کے برابر پڑھا جائے تو یہ باطنی صورت کے کمال کے ساتھ روح کے برضا و رغبت جسم میں قیام کیلئے ہوگا۔

اگر اسے تین ''ا'' کے برابر پڑھا جائے تو مذکورہ بالا دونوں معانی کے ساتھ حاسہ سار یہ کیلئے ہوگا۔

اگر اسے چار ''ا'' کے برابر پڑھا جائے تو مذکورہ بالا تینوں معانی کے ہمراہ حسن باطنی کے کمال کیلئے ہوگا۔

اگر اسے پانچ ''ا'' کے برابر پڑھا جائے تو مذکورہ بالا چاروں معانی کے ہمراہ بغض باطل کے لیے ہوگا۔

اگر اسے چھ ''ا'' کے برابر پڑھا جائے تو یہ مذکورہ بالا پانچوں معانی کے ہمراہ بھلائی کے ذات میں رچ بس جانے کیلئے ہوگا۔

یہ بات آپ جانتے ہیں کہ باطنی صورت کا کمال حرف آدمیت کا جز ہے۔ روح کا سکون حرف رسالت کا' قوت ساریہ حرف قبض کا' حسن باطنی کا کمال حرف آدمیت کا' بغض باطل حرف نبوت کا اور سکون خیر فی الذات حرف بسط کا جز ہے۔

جب آپ ایک ''ا'' کے برابر پڑھیں گے تو اس میں حرف آدمیت کا جز موجود ہوگا۔

جب دو ''ا'' کے برابر پڑھیں گے تو اس میں حرف آدمیت اور حرف رسالت کے اجزاء موجود ہوں گے۔

جب تین ''ا'' کے برابر پڑھیں گے تو حرف آدمیت' حرف رسالت اور حرف قبض کے اجزاء موجود ہوں گے۔

جب چار ''ا'' کے برابر پڑھیں گے تو حرف آدمیت کے دو اور حرف رسالت اور حرف قبض کا ایک ایک جز موجود ہوگا۔

جب پانچ ''ا'' کے برابر پڑھیں گے تو حرف آدمیت کے دو' حرف رسالت' حرف قبض اور حرف نبوت کا ایک ایک جز موجود ہوگا۔

اگر چھ ''ا'' کے برابر پڑھیں گے تو حرف آدمیت کے دو' رسالت' قبض' نبوت اور بسط کا ایک ایک جز موجود ہوگا۔

''ل''، علم کامل کیلئے ہے جو حرف رسالت کا جز ہے۔

اس پر موجود زیر حس باطنی کے کمال کیلئے ہے جو حرف آدمیت کا جز ہے۔

''مد'' والی ''ی'' کے بھی چھ مراتب ہیں:

اگر ایک ''ی'' کے برابر پڑھیں تو یہ تمام جہات کے سامنے کی جہت میں سمٹ آنے کیلئے ہوگا۔

اگر دو ''ی'' کے برابر پڑھیں تو یہ پہلے مفہوم کے ہمراہ انسان و جنات سے متعلق علوم کی معرفت کیلئے ہوگا۔

اگر تین ''ی'' کے برابر پڑھیں تو مذکورہ بالا دونوں مفاہیم کے ہمراہ اہل جنت کی مانند زندگی بسر کرنے کیلئے ہوگا۔

اگر چار ''ی'' کے برابر پڑھیں تو مذکورہ بالا تینوں مفاہیم کے ہمراہ انجام کی معرفت کیلئے ہوگا۔

اگر پانچ ''ی'' کے برابر پڑھیں تو مذکورہ بالا چاروں مفاہیم کے ہمراہ عدم تضیع کیلئے ہوگا۔

اگر چھ ''ی'' کے برابر پڑھیں تو مذکورہ بالا پانچوں مفاہیم کے ہمراہ دونوں جہانوں سے متعلق علوم کی معرفت کیلئے ہوگا۔

یہ بات آپ جان چکے ہوں گے کہ سات روحانی حروف میں سے تین حروف کے اجزاء زیادہ پائے جاتے ہیں یعنی حرف آدمیت' حرف قبض اور حرف رسالت اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اسرار حروف اور حرکات دونوں میں پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا پیش اور جزم حرف قبض کے ساتھ مخصوص ہیں' زبر حرف رسالت کے ساتھ مخصوص ہے اور زیر حرف آدمیت کے ساتھ مخصوص ہے۔ لہٰذا جہاں زبر زیادہ تعداد میں ہوگی وہاں حرف رسالت کے انوار زیادہ موجود ہوں گے اور جہاں زیر زیادہ تعداد میں ہوگی وہاں حرف آدمیت کے انوار زیادہ تعداد میں موجود ہوں گے اور جہاں پیش یا جزم زیادہ تعداد میں موجود ہوں گے وہاں حرف قبض کے انوار زیادہ موجود ہوں گے۔

دیگر قرأتوں کی توضیح

سات مشہور قرأتوں کے علاوہ چند دیگر قرأتیں بھی منقول ہیں لیکن ان میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک شیخ زید اور شیخ الکلی کی قرأت ہے جس کے مطابق ''الحمد'' کی ''د'' پر پیش کی بجائے زبر پڑھی جائے گی۔ اس کی نحوی توجیہہ یہ ہے کہ یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق واقع ہوگی اور اصل جملہ یوں ہوگا: احمد اللہ حمدا پھر اس جملے کو ایک خاص ترکیب میں تبدیل کر دیا گیا۔

عام قرأت کے مطابق ''د'' پر پیش اس لئے پڑھی جاتی ہے کہ یہ لفظ مبتداء ہے۔

ان دونوں کی باطنی توجیہہ زبر اور پیش کے انوار کے مطابق ہوگی۔

اگر آپ ''د'' پر پیش پڑھیں گے تو یہ پیش حاسہ سماریہ کیلئے ہے جو پورے جسم میں موجود ہوتا ہے۔ گویا آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی تو اس حمد کے معانی کی کیفیت کو آپ کے پورے جسم نے محسوس کیا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولی اور فعلی دونوں طریقوں سے حمد کی ہے۔

اگر ''د'' پر زبر پڑھی جائے تو یہ زبر علم کامل کیلئے ہے گویا اس بات کا مکمل علم موجود ہے کہ حمد کی مستحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ لیکن کیا جسم نے اس کیفیت کو محسوس کیا؟ اس بات کا ذکر آیت میں نہیں ہوگا اسی لیے عام قرأت میں ''د'' پر پیش پڑھی جاتی ہے۔

اگر آپ یہ سوال کریں ''الحمد'' میں ''ل'' اور ''م'' پر موجود جزم حاسہ سماریہ کیلئے ہے جس کے نتیجے میں وہی کیفیت حاصل کی جاسکتی ہے جو ''د'' پر پیش پڑھنے کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا ''د'' پر پیش یا زبر پڑھنے میں کوئی فرق نہیں ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ بات درست ہے لیکن اگر یہ صورت لفظ کے مکمل ہونے سے پہلے پیدا ہو جائے تو کیفیت کا تعلق صرف لفظ کے ساتھ ہوگا یعنی انسان نے اس لفظ سے مکمل طور پر لذت حاصل کی ہے لیکن اگر لفظ کے آخری حرف میں یہ خصوصیت موجود ہو تو گویا لذت کی کیفیت کا تعلق معانی کے ساتھ ہوگا۔ اس لیے پیش کی قرأت میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔

امام حسن بصری کی ایک قرأت کے مطابق ''د'' اور ''ل'' دونوں پر زبر پڑھی جائے گی جس کی ظاہری توجیہہ یہ ہے کہ ''ل'' کی قرأت ''د'' کی قرأت کے تابع ہوگی لیکن باطنی اعتبار سے ''ل'' پر زبر یا زیر پڑھنے سے معنی

مختلف ہو جائے گا۔ اگر آپ ''ل'' پر زیر پڑھتے ہیں تو یہ باطنی حس کے کمال کیلئے ہوگی گویا اللہ کی حمد کو انسان کے باطن نے مکمل طور پر محسوس کیا ہے لیکن اگر آپ ''ل'' پر زبر پڑھیں گے تو یہ علم کامل کیلئے ہے اس کا احساس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا اور یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ محض علم کے مقابلے میں علم کے ہمراہ احساس کا پایا جانا زیادہ بہتر ہے۔ اسی لیے عام طور پر ''ل'' پر زیر پڑھی جاتی ہے۔

کسائی کی قرأت کے مطابق دوسرے ''ل'' کی کھڑی زبر کو امالہ کر کے پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں احساس کا مفہوم مزید اجاگر ہو جائے گا۔

ایک قرأت کے مطابق 'العلمین' الرحمٰن اور مالک یوم الدین کو بھی امالہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے لیکن اس امالہ کا تعلق کیونکہ لفظ کے آخری حرف کی بجائے پہلے کے کسی حرف کے ساتھ ہے اس لیے باطنی مفہوم کا تعلق معنی کی بجائے صرف ظاہری لفظ کے ساتھ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ امالہ کی بہ نسبت زبر کو افضل قرار دیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار خاص کیفیت کے عالم میں امالہ کیا کرتے تھے لیکن امت کی تعلیم کیلئے آپ نے اسی قرأت کو پسند کیا جو عام حالات کے مناسب ہے۔

رب' الرحمٰن' الرحیم پر شیخ ابوزید الانصاری نے (زیر کی بجائے) پیش پڑھی ہے اور ایک قرأت کے مطابق ان پر زبر بھی پڑھی گئی ہے۔ اس کی ظاہری توجیہہ یہ ہے کہ لفظ اللہ کی صفت واقع ہونے کے باعث ان الفاظ کے آخر میں زیر پڑھی جائے گی۔ اگر پیش پڑھی جائے تو ان سے پہلے مبتداء محذوف ماننا پڑے گا جبکہ زبر کی صورت میں فعل ناصب کو محذوف ماننا پڑے گا۔

اس کی باطنی توجیہہ یہ ہے کہ زیر عقل کیلئے ہے جو حرف آدمیت کا جز ہے جس کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ انسان پر ہر وقت عاجزی وانکساری کا غلبہ رہے۔ لہٰذا یہاں عقل انسان کو اس بات کی طرف مائل کرے گی کہ وہ اپنے پروردگار کے حضور ہمیشہ عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرتا رہے۔ زبر علم کامل کیلئے ہے جس کا مفہوم یہ ہوگا کہ متکلم کو اس بات کا مکمل شعور حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا پروردگار ہے لیکن اس علم کے باوجود کیا وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں عاجزی اختیار کرتا ہے؟ یہ بات زبر کی قرأت میں واضح نہیں ہو سکتی۔ پیش کی قرأت کا تعلق حاسہ ساریہ کے ساتھ ہے لیکن یہ حاسہ مفہوم کی تکمیل سے پہلے حاصل ہو جاتا ہے (کیونکہ رب العلمین میں لفظ رب مضاف ہے) اور جب تک مضاف الیہ ذکر نہ کیا جائے اس وقت تک مضاف کا مفہوم واضح نہیں ہوتا اس لیے زیر کی قرأت زیادہ بہتر ہے۔

ایک قرأت کے مطابق ''مالک'' کو ''ملک'' پڑھا گیا ہے۔ ظاہری اعتبار سے ملک صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور مالک اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ لیکن باطنی اعتبار سے ''ل'' کے بعد آنے والا ''ا'' باطنی صورت کے کمال کیلئے ہوگا جس کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ اللہ کی ذات ہر چیز کی بادشاہ ہے اور سامعین کو اس بات سے آگاہ ہو جانا چاہئے۔ یہ مفہوم ''ملک'' کی قرأت میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ملک کی قرأت میں ایک اور راز

موجود ہے کہ ''ملک'' کی اضافت ''یوم الدین'' کی طرف کی گئی ہے اور یہ مفہوم ''مالک'' کی قرأت میں کم پایا جاتا ہے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) نحوی اعتبار سے دیکھا جائے تو ''مالک'' اسم فاعل کا صیغہ ہے جو حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے۔ سیّدی دباغ کے کہنے کا یہی مقصد تھا کہ اس صیغے میں ملکیت کے مفہوم کی جامعیت کم ہے۔

ایک قرأت کے مطابق ''ملیک'' بھی پڑھا گیا ہے۔ یہاں پر ''ی'' انجام کی معرفت کیلئے استعمال ہوئی ہے جس کے ذریعے متکلم کے وجود کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اگر وہ اپنے انجام سے واقف ہوگا تو اپنے نفس کی اصلاح کرسکے گا لیکن یہ مفہوم نہایت ضعیف ہے۔

ایک قرأت کے مطابق لفظ ''ملاک'' بھی پڑھا گیا ہے لیکن اس صورت میں مفہوم محدود ہو جائے گا۔ اور اس سے مراد یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن صرف مکلّف لوگوں (یعنی بنی نوع انسان) کا مالک ہوگا اور کسی مخلوق کا مالک نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ''ک'' کے نیچے آنے والا زیر ظاہری صورت کے کمال کیلئے ہے جو صرف بنی نوع انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ ''ملاک'' میں ''ل'' کے بعد آنے والا ''ا'' اسی بات پر تنبیہہ کرتا ہے اور مشدد ''ل'' اس معنی میں تاکید پیدا کرتا ہے جس کے نتیجے میں دیگر مخلوقات ملکیت کے حکم سے خارج متصور کی جائیں گی جبکہ مشہور قرأت میں ایسا نہیں ہوتا اسی لیے اس قرأت کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اسم مبالغہ کا تقاضا بھی یہی ہے (ملاک اسم مبالغہ کا صیغہ ہے) کیونکہ ''ملک'' وہ ذات ہوگی جو صاحب تصرف ہو اور کیونکہ قیامت کا دن حساب و کتاب کے ساتھ مخصوص ہے یہ حساب و کتاب بطور خاص بنی نوع انسان سے لیا جائے گا اس لیے ملاک کا مفہوم بنی نوع انسان کے ساتھ خاص ہوگا لیکن مشہور قرأت میں بنی نوع انسان کے ساتھ تمام مخلوقات بھی شامل ہوں گی۔

ایک قرأت کے مطابق ''مالک'' کے ''ک'' پر زبر بھی پڑھی گئی ہے۔ ظاہری اعتبار سے یہ منادی مضاف ہوگا یا اس کا فعل محذوف ہوگا۔ باطنی اعتبار سے زبر کا تعلق علم کامل کے ساتھ ہے۔ اس لیے پڑھنے والا اس بات سے واقف تو ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے لیکن ان الفاظ کے ذریعے اس نے خود کو اور دوسروں کو اللہ کی ملکیت شمار نہیں کیا لیکن اگر آپ ''ک'' پر زیر پڑھیں گے تو ''ک'' کا تعلق حرف آدمیت کے ساتھ ہے جس کا ایک اہم جز عاجزی وانکساری ہے اور یہ زیر ظاہری صورت کے کمال پر بھی دلالت کرے گا۔ اس لیے یہاں اللہ تعالیٰ کے دو احسانات کا اعتراف موجود ہوگا اور یہ مفہوم زبر کی قرأت میں نہیں پایا جاتا۔

ایک قرأت کے مطابق ''ملک'' میں ''ل'' کو ساکن پڑھا گیا ہے جیسے ''کتف'' میں آسانی کیلئے ''ت'' کو ساکن پڑھا جاتا ہے لیکن اصل میں ''ت'' پر زیر موجود ہے۔ اسکی باطنی توجیہہ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ یہ الفاظ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کے نائب کے طور پر ان الفاظ کو ادا کرتا ہے اور ہیبت کے

باعث ''ل'' پر زیر پڑھنے کی بجائے ساکن پڑھ لیتا ہے۔

اس مفہوم پر دلالت کی وجہ یہ ہے کہ پچھلے حرف کی حرکت بھی علم کامل کیلئے ہے لیکن اگر ''ل'' پر جزم نہ ہوتو پچھلے حرف کی حرکت علم کامل کیلئے نہیں ہوگی اسی لیے ''ل'' پر جزم دی گئی تا کہ پچھلے حرف کی حرکت علم کامل کے معنی میں استعمال ہو کیونکہ اگر ''ل'' پر حرکت موجود ہوتی تو پچھلے حرف یعنی ''م'' کی حرکت علم کامل کی بجائے صدق کیلئے ہوتی۔ لفظ میں تغیر صرف اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب انسان پر خوف اور لرزہ طاری ہو کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کے کلام کو ادا کر رہا ہے اس لیے گویا اس پر لرزہ طاری ہو گیا جس کے نتیجے میں اس نے ''ل'' پر حرکت نہیں پڑھی۔

ایک قرأت کے مطابق ''ملک'' کو فعل ماضی کے صیغے کے مطابق پڑھا جائے گا۔ اور ''یوم'' کے آخر میں زبر آئے گی۔ کیونکہ یہ ''ملک'' کا مفہوم بنے گا۔ ایک روایت کے مطابق ''مالک'' کے آخر میں پیش کے ہمراہ تنوین آئے گی۔ ایک قرأت کے مطابق تنوین کے بغیر پیش آئے گی۔

''ایاک'' کے ''ا'' کے نیچے جمہور نے زیر پڑھی ہے لیکن ایک قرأت کے مطابق اس پر زبر پڑھی جائے گی۔ اس کی باطنی توجیہہ یہ ہے کہ زیر کا تعلق عقل کامل کے ساتھ ہے جو عاجزی وانکساری کی طرف راغب کرتی ہے جبکہ زبر کا تعلق کامل مشاہدے کے ساتھ ہے جو حرف رسالت کا جز ہے اس لیے عام مخلوق کی حالت کی مناسبت سے مشاہدے کی بجائے عقل کامل کا مفہوم زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں عاجزی وانکساری پائی جاتی ہے اور یہی مشہور قرأت ہے۔

ایک قرأت کے مطابق ''ایاک'' میں ''ی'' پر ''شد'' نہیں پڑھی جائے گی۔ فرق یہ ہے کہ شد والی قرأت میں اللہ تعالیٰ کے خوف میں تاکید کا مفہوم پایا جاتا ہے جبکہ اس قرأت میں ایسا نہیں ہے اور یہ بات ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ ''ی'' خوف کیلئے استعمال ہوئی ہے۔ اس لیے مشہور قرأت میں زیادہ واضح اور بہتر مفہوم پایا جاتا ہے۔

''نعبد'' میں ایک قرأت کے مطابق ''د'' کو ساکن پڑھا گیا ہے۔ باطنی اعتبار سے اگرچہ پیش اور جزم کا مفہوم ایک دوسرے کے قریب ہے لیکن پیش زیادہ بہتر ہے کیونکہ پیش اصل ہے اور جزم عارضی طور پر واقع ہوتی ہے۔

ایک قرأت کے مطابق ''نعبد'' کو غائب کے مجہول صیغے کے طور پر ''یعبد'' پڑھا گیا ہے۔ اس کی باطنی توجیہہ یہ ہوگی: ''ی'' کا پیش انقباض کیلئے ہے اور جس چیز سے انقباض پیدا ہوگا وہ ''ی'' اور ''ع'' کی ضد ہوگی۔ ''ی'' کا تعلق خوف سے ہے اور اس کی ضد عدم خوف ہے اور ''ع'' کا تعلق عفو کے ساتھ ہے جس کی ضد عدم عفو ہے۔ گویا متکلم ان دونوں متضاد معانی سے اس قدر دور ہو گیا کہ اس کا شمار ان اولیاء میں ہونے لگا جو اہل جنت کی مانند زندگی بسر کرتے ہیں اور اب متکلم ہر مخلوق کی تسبیح کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ ''ع'' پر آنے والا زبر اہل جنت کی

زندگی کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ قرأت صرف اکابر صوفیاء ہی پڑھ سکتے ہیں۔ مشہور صوفی بزرگ سعید بن جبیر یہ قرأت پڑھا کرتے تھے۔

لیکن مشہور قرأت کے مطابق عبادت کے مفہوم میں عارف اور غیر عارف سب شامل ہوں گے تاہم جمہور کی قرأت بہتر ہے کیونکہ جب کوئی شخص قرأت کرنے لگتا ہے تو حروف کے معانی کے انوار چمکنے لگتے ہیں اس لیے اگر عام شخص ''ن'' کی قرأت کرے گا تو اسے ''ن'' کے انوار حاصل ہوں گے لیکن اگر وہی عام شخص ''ی'' کی قرأت کرے گا تو وہ ''ن'' کی قرأت کے انوار سے محروم رہ جائے گا کیونکہ ''ی'' کی قرأت صرف کامل عارف ہی کر سکتا ہے۔

ایک قرأت کے مطابق ''نعبد'' میں ''د'' کے بعد ''و'' بھی آتی ہے ظاہری اعتبار سے ''د'' کی پیش کے باعث بعد میں ''و'' کو پڑھا گیا ہے اور باطنی اعتبار سے ''و'' کا مفہوم یہ ہے کہ انسان حق کہتے ہوئے نہ شرمائے۔ اس مفہوم کے بہتر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ انسان اس کو نہ پڑھے۔ سیّدی دباغ فرماتے ہیں: ''و'' کی قرأت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لیکن ہمارے لیے مشہور قرأت کی پیروی کرنا بہتر ہے کیونکہ ''و'' والی قرأت کے مخصوص انوار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہیں۔

ایک قرأت کے مطابق ''نستعین'' میں ''ن'' پر زیر پڑھی جائے گی۔ باطنی اعتبار سے زیر پڑھنے کی صورت میں متکلم کے علاوہ تمام افراد کو خارج کر دیا جائے گا اس لیے زبر کی قرأت بہتر ہے۔

ایک قرأت کے مطابق ''غیر'' میں ''ر'' پر زیر کی بجائے پیش اور ایک قرأت کے مطابق زبر پڑھی جائے گی۔ زیر کی قرأت کی صورت میں عاجزی پائی جائے گی۔ پیش کی قرأت میں غضب کا شکار لوگوں سے نفرت پائی جائے گی اور زبر کی قرأت کی صورت میں کلام کا مفہوم متعین کی بجائے عام ہو جائے گا۔

ایک قرأت کے مطابق ''ولا الضالین'' میں ''ا'' کو ساکن کر دیا گیا ہے۔ اس کی باطنی توجیہہ یہ ہے کہ یہ امتثال امر کیلئے استعمال ہوگا چنانچہ ''ا'' اور اس کی حرکت کے باعث حرف قبض کے دو اجزاء موجود ہوں گے اور اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ گمراہ لوگ ہمارے دشمن ہیں۔

دباغ کے کلام کا نچوڑ

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اختلاف قرأت کے حوالے سے قرآن مجید کے معانی میں پیدا ہو جانے والے اختلاف کے بارے میں سیّدی دباغ کے کلام کی تلخیص ہم نے نقل کر دی ہے۔ سیّدی دباغ نے کچھ ایسی قرأتوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جنہیں علم قرأت کے ماہرین نے ذکر نہیں کیا لیکن ہم نے انہیں نظر انداز کر دیا ہے تاکہ قارئین اکتاہٹ کا شکار نہ ہو جائیں کیونکہ اگر میں اس بارے میں سیّدی دباغ کے کلام کو مکمل طور پر تحریر کرتا تو وہ کئی جلدوں پر مشتمل ہوتا۔ تاہم سیّدی دباغ کی مذکورہ بالا تشریح میں چند قیمتی نکات پائے جاتے ہیں جن کی طرف میں قارئین کی توجہ مبذول کروانا چاہوں گا۔

پہلا نکتہ

پہلا نکتہ یہ ہے کہ سیّدی دباغ کے کلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی عظمت وکمال کی وضاحت کی گئی ہے تا کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا اندازہ کر سکیں کہ 49 اجزاء جس قدر کمال کی صورت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں موجود ہیں۔ یہ مرتبہ کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں سب سے زیادہ حقائق اور انوار پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان سے آگاہ ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ مذکورہ بالا سات حروف کے ذیلی اجزاء جو 49 اقسام پر مشتمل ہیں ان میں سے ہر ایک جز کو سامنے رکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا تصور کرے تو اسے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ اس قدر عظمت شان کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکی ہے تو اس شخص کے دل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہو جائے گا۔ گویا سیّدی دباغ کے اس کلام کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری و باطنی کمالات سے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔

دوسرا نکتہ

اس گفتگو میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہاں روح کی کیفیت اور اس کے عجیب وغریب کمالات کا تذکرہ کیا گیا ہے (جو حرف روح کی سات اقسام کی صورت میں بیان کیا گیا ہے)۔ جو شخص ان نکات سے آگاہی حاصل کر لے گا اسے روح کے لوازم اور خصوصیات کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ حالانکہ روح کے بارے میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے بعض اہل علم نے اس موضوع پر گفتگو کو ممنوع قرار دیا ہے اور بعض نے اپنے علم کے مطابق اظہار خیال کیا ہے لیکن ان حضرات نے بھی روح کے خواص کے بارے میں کوئی بات بیان نہیں کی ہے۔ اس لیے ان کا موقف پڑھنے والے شخص کی حیرانگی برقرار رہتی ہے جبکہ سیّدی دباغ نے نہایت واضح طور پر روح کے لوازم اور خصوصیات کا تذکرہ کر دیا ہے اور اس سے متعلق نہایت حیرت انگیز جزئیات بیان کی ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

تیسری خصوصیت

سیّدی دباغ کے کلام میں تیسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اولیاء کرام کے معارف کی شرح بیان کی ہے جس سے خود سیّدی دباغ کے علم وعرفان کا اندازہ ہو جاتا ہے چونکہ کوئی بھی شخص اس وقت تک ولی اور غیر ولی کے درمیان کوئی فرق نہیں کر سکتا۔ جب تک اس کے جسم اور روح کے درمیان موجود حجاب زائل نہ ہو جائے لہٰذا جس شخص کا حجاب زائل ہو جائے اور اس کے جسم کو بھی اس کی روح کے اسرار کا علم حاصل ہو جائے تو وہی صاحب فتح ولی کہلائے گا۔ اس کے برعکس جس شخص کے جسم اور روح کے درمیان حجاب موجود ہے وہ ایک عام شخص ہے اگرچہ وہ ہوا میں اڑ سکتا ہو یا پانی پر چل سکتا ہو۔ ان امور میں سے بعض کا تذکرہ آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

چوتھی خصوصیت

چوتھی خصوصیت حدیث مبارکہ کی شرح ہے۔ سیّدی دباغ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی انوار اور قلبی اسرار کی روشنی میں بیان کیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن نہایت عظیم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور کو حاصل ہونے والے انوار بے شمار ہیں۔ اس لیے قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل کیا گیا۔ سیّدی دباغ نے نہایت خوبصورت انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی وقلبی اسرار وانوار کا تذکرہ کیا ہے۔ جن شارحین نے اس حدیث کی ظاہری تشریح بیان کی ہے اس تشریح کا مقام نبوت یا مقام رسالت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ حروف کی ادائیگی میں تلفظ کے اختلاف کا باطن کے اسرار کے اختلاف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اس سے بھی زیادہ حیران کن وہ تشریح ہے جس میں سات حروف سے مراد حلال، حرام، وعدہ، وعید، خبر دینا، خبر حاصل کرنا، ندا قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ تشریح حدیث کے ظاہری الفاظ سے مطابقت نہیں رکھتی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''بے شک قرآن کو سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔ لہٰذا تم اپنی آسانی کے مطابق اس کی قرأت کر سکتے ہو۔'' (صحیح بخاری، ۲:۸۵۱، رقم: ۲۲۸۷)

نیز صحابہ کرام کیلئے بھی یہ بات ممکن نہیں تھی کہ مذکورہ بالا سات حوالوں میں سے کسی ایک حوالے میں بھی آپس میں کوئی اختلاف کرتے۔ اس لیے کوئی بھی عقل مند اس تشریح کو قبول نہیں کر سکتا۔

پانچویں خصوصیت

سیّدی دباغ کی تشریح میں پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی بیان کردہ تشریح علم قرأت کے ماہرین کی بیان کردہ تشریح کے مطابق ہے بلکہ علم قرأت کے ماہرین کا بیان محدود مفہوم رکھتا ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کا اندازہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ حضرات مثال کے طور پر دوسرے الفاظ پیش کر دیتے ہیں جو عام محاورے میں شامل ہوتے ہیں جس سے یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ قرآن مجید میں بطور خاص اس لفظ کو کیوں بیان کیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت کیلئے آپ سابقہ صفحات میں تحریر شدہ ''مالک'' اور ''نعبدہ'' کی تفسیر ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ سیّدی دباغ نے کس طرح ہر حرف اور اس کی مخصوص حرکت کی تشریح بیان کی ہے۔

چھٹا نکتہ

چھٹا نکتہ یہ ہے کہ قارئین اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں کہ قرآن مجید کی تفسیر صرف انہی سات حروف پر مشتمل ہے کیونکہ قرآن مجید کا ایک مخصوص معنی ہے جس میں تمام علوم موجود ہیں اور یہ ساتوں حروف اس معنی کیلئے لباس کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا بالواسطہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ لباس اور معنی دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اگر آپ سابقہ صفحات میں ذکر شدہ سورۃ فاتحہ کی تفسیر ملاحظہ کر لیں تو آپ کو اس بات کا تھوڑا سا اندازہ ہو جائے گا۔ اگر قرآن

کے حقیقی معنی کی تفسیر بیان کی جائے تو اس میں ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی تفسیر شامل ہو جائے گی۔ باطنی تفسیر کے ذریعے یہ پتہ چل جائے گا کہ ارواح کے جسم میں داخل ہونے سے پہلے ان کی کیا کیفیت تھی؟ اور جسم سے جدا ہو جانے کے بعد ان کی کیا کیفیت ہوگی؟ اسی طرح یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ قرآن مجید سے علوم کا استخراج کیسے کیا جا سکتا ہے؟ بلکہ کائنات کی جملہ اقسام میں موجود اور ان سے متعلق امور سے کس طرح آگاہی حاصل کی جا سکتی ہے؟ غرضیکہ یہ تمام معلومات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کے سمندر کا ایک قطرہ ہیں۔ اگر قرآن مجید کو اس طریقے سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو بہت سی ایسی باتیں ظاہر ہوں گی جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جائے گی اور اس وقت یہ انداز ہوگا کہ ساری مخلوق مل کر بھی قرآن مجید کی ایک سطر کی مانند سطر تحریر نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ انوار عطا کیے ہیں جن کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔

ساتواں نکتہ

اس ساری گفتگو کے نتیجے میں ساتواں نکتہ یہ حاصل ہوا کہ قرآن مجید میں موجود ہر حرف کا ایک مخصوص ''سر'' ہے۔ جیسے ''ا'' امتثال کیلئے ''ب'' سکون کیلئے ''ت'' ظاہری حسن کے کمال کیلئے وغیرہ استعمال ہوتے ہیں اور ان اسرار سے صرف اہل فتح ہی آگاہ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح اعراب اور حرف کے درمیان تعلق اور ان میں موجود اسرار سے بھی صاحب فتح ہی آگاہ ہو سکتا ہے۔ اگر ان اسرار کا کوئی ضابطہ موجود ہوتا تو بہت سے افراد ان اسرار سے آگاہ ہو جاتے اس لیے اگر کوئی صاحب ان اسرار سے آگاہ ہونا چاہیں تو انہیں چاہئے کہ کسی صاحب فتح بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر اخذ و استفادہ کریں۔

آٹھویں خصوصیت

آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا پتہ چل گیا کہ قرآن مجید کا موجودہ رسم الخط توقیفی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسی طرح تحریر کرنے کا حکم دیا تھا۔ نیز اس رسم الخط میں بھی مخصوص انوار موجود ہیں لیکن بعض اہل علم اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ شاید یہ رسم الخط صحابہ کرامؓ نے ایجاد کیا ہے۔ ایسے اہل علم دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے بعض اہل علم کے نزدیک صحابہ کرامؓ کے ایجاد کردہ رسم الخط میں بعض ایسے اسرار موجود ہیں جن سے ہم واقف نہیں ہو سکتے لیکن یہ حضرات یہ بات بھول گئے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام پر ہی کسی قسم کے غور و خوض کے بغیر عمل کیا جا سکتا ہے۔ صحابہ کرامؓ یا دیگر افراد کے ایجاد کردہ قوانین میں غور و فکر کی گنجائش موجود رہتی ہے۔ اس کے برعکس اہل علم کے دوسرے گروہ نے اس رسم الخط کو صحابہ کرام کی مخصوص اصطلاح نہیں سمجھا۔ ان کے نزدیک عرب کیونکہ کتابت کے فن سے آشنا نہیں تھے اس لیے انہوں نے اپنے فہم کے مطابق الفاظ کو مختلف شکلوں میں تحریر کر دیا۔

نویں خصوصیت

9ویں نکتے کا تعلق دوسوالات کے ساتھ ہے جو میں نے سیّدی دباغ کی خدمت میں پیش کیے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ ہم نے باطنی انوار کے اعتبار سے حروف کی تقسیم کی ہے کہ فلاں حرف تہجی فلاں حرف باطنی (آدمیت، بسط، قبض وغیرہ) کیلئے مخصوص ہے حالانکہ یہ حروف تہجی عام افراد کے کلام میں بھی پائے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ عام لوگوں کے کلام میں بھی یہ انوار پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ انوار قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہیں؟ عام انسان تو کجا دیگر آسمانی کتابوں میں بھی یہ انوار نہیں پائے جاتے کیونکہ ایک روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا تھا:

ان الکتب کانت تنزل من السماء من باب واحد علی حرف واحد، وان القرآن انزل من سبعة ابواب علی سبعة احرف

''تمام آسمانی کتابیں آسمان سے ایک ہی دروازے سیا یک ہی حرف پر نازل ہوئی ہیں جبکہ قرآن سات دروازوں سے سات حروف پر نازل ہوا ہے۔''

سیّدی دباغ نے جواب دیا: حروف کی یہ باطنی تقسیم صرف قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہے۔ ہم نے ہر حرف تہجی کیلئے جو مخصوص باطنی حرف بیان کیا ہے اس کا تعلق صرف قرآن مجید کے حروف کے ساتھ ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ دیگر آسمانی کتابوں یا عام لوگوں کے کلام میں تقسیم مختلف ہوگی کیونکہ یہاں تمام حروف تہجی حرف آدمیت کے سات اجزاء میں تقسیم ہو جائیں گے اور بقیہ 6 باطنی حروف یعنی قبض، بسط، روح، نبوت، علم، رسالت کے انوار قرآن مجید کے علاوہ کسی اور کلام میں نہیں پائے جائیں گے۔

میں نے عرض کیا: یہ 6 انوار دیگر انبیاء کرام میں بھی پائے جاتے ہیں اس لیے ان حضرات پر نازل ہونے والی کتب میں بھی یہ تمام انوار موجود ہونے چاہئیں؟ سیّدی دباغ نے جواب دیا: تمام انبیاء کرام میں یہ انوار پائے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی حدیث قدسی یا اپنی بات بیان کرتے ہیں تو اس کلام میں بھی یہ انوار موجود نہیں ہوتے کیونکہ ان انوار کا تعلق صرف قرآن مجید کے ساتھ ہے کیونکہ قرآن مجید کے نزول میں ایک مخصوص ''سر'' موجود ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں دوسرا ''سر'' موجود ہے کیونکہ دیگر تمام آسمانی کتابوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا ''سر'' موجود نہیں ہے اس لیے ان میں صرف ایک ''سر'' (یعنی نزول کا سر) پایا جاتا ہے جبکہ احادیث مبارکہ میں نزول کا سر موجود نہیں ہوتا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا سر پایا جاتا ہے۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) سیّدی دباغ نے کشف کے ذریعے ان دونوں اسرار کی وضاحت کی ہے۔ سیّدی دباغ فرماتے ہیں: نظم، ترکیب اور معانی کے اعتبار سے قرآن مجید کی مثال اسی لیے پیش نہیں کی جاسکتی (کیونکہ اس میں دونوں اسرار پائے جاتے ہیں) لیکن سابقہ آسمانی کتابوں میں کیونکہ صرف ایک سر پایا جاتا ہے اس لیے نظم اور ترکیب کے اعتبار سے ان کی مثال پیش کی جا

سکتی ہے۔ البتہ معانی کے اعتبار سے ان کی مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی کیونکہ معانی کا تعلق علم قدیم کے ساتھ ہے۔

دباغ کے جواب اور احادیث میں تطبیق

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میرے دوسرے سوال کا تعلق سیّدی دباغ کی بیان کردہ تشریح اور اس بارے میں منقول احادیث میں تطبیق سے متعلق تھا اس لیے میں پہلے اس بارے میں منقول روایات نقل کروں گا۔

ان میں سب سے پہلی روایت متفق علیہ ہے جو حضرت عمر اور حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہما کے واقعے پر مشتمل ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں اس روایت کو طبری نے یوں نقل کیا ہے:

قراء رجل فغیر علیه عمر فا ختصما عندالنبی علیه السلام فقال الرجل الم تقرئنی یارسول الله! قال بلی قال فوقع فی صدر عمر شیء عرفه النبیؐ فی وجهه قال فضربه فی صدره وقال: ابعد شیطانا قالها ثلاثا' ثم قال: یا عمر القرآن کله صواب ما لم تجعل رحمة عذابا' وما لم تجعل عذابا رحمة

(فتح الباری' ۹:۲۶' مسند احمد' ۲:۳۰)

"ایک مرتبہ ایک شخص نے قرآن کی بعض آیات کی تلاوت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹ دیا۔ یہ دونوں حضرات فیصلے کیلئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپؐ نے مجھے اس طرح سے قرأت نہیں سکھائی؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ الجھن کا شکار ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر الجھن کے آثار دیکھ کر ان کے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا: شیطان کو دور کر دو۔ پھر فرمایا: اے عمر! قرآن مکمل طور پر درست ہے تاوقتیکہ عذاب کو رحمت اور رحمت کو عذاب نہ بنا دیا جائے۔"

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ روایت منقول ہے:

"دخلت المسجد اصلی' فدخل رجل فافتتح النحل فقرأ فخالفنی فی القراء ة' فلما انفتل قلت: من أقرأك؟ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم' ثم جاء رجل فقام یصلی' فافتتح النحل فخالفنی وخالف صاحبی' فلما انفتل قلت: من أقرأك؟ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم' فدخل قلبی من الشك والتكذیب اشد مما كان فی الجاهلیة' فاخذت بایدیهما فانطلقت الی النبی صلی الله علیه وسلم بهما' فقلت استقرئ هذین' فاستقرأ احدهما فقال احسنت' فدخل صدری من الشك والتكذیب أكثر مما كان فی الجاهلیة ثم استقرأ الأخر فقال احسنت' فدخل

صدری من الشك والتكذيب اكثر مما كان فی الجاهلية ثم استقرأ الآخر فقال احسنت' فدخل صدری من الشك والتكذيب اكثر مما كان فی الجاهلية' فضرب رسول الله صلی الله عليه وسلم صدری بيده' وقال اعيذك بالله من الشك يا ابی' ثم قال: ان جبريل عليه السلام اتانی فقال: ان ربك عزوجل يامرك ان تقرا القرآن علی حرف واحد' فقلت: اللهم خفف عن امتی' ثم عاد فقال: ان ربك عز وجل يامرك ان تقرا القرآن علی حرفين' فقلت: اللهم خفف عن امتی' ثم عاد فقال: ان ربك عزوجل يامرك ان تقرا القرآن علی سبعة احرف واعطاك بكل حرف مسئلة۔

'ایک دن میں مسجد میں نماز ادا کر رہا تھا اسی دوران ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے سورۃ نحل پڑھنا شروع کی مگر اس کی قرأت مجھ سے مختلف تھی جب وہ فارغ ہوا تو میں نے اس سے پوچھا: تم نے قرأت کا یہ طریقہ کس سے سیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے' اس کے بعد ایک اور شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے بھی سورۃ نحل پڑھنا شروع کی لیکن اس کی قرأت ہم دونوں کی قرأت سے مختلف تھی۔ میں نے اس سے پوچھا' تمہیں یہ قرأت کس نے سکھائی ہے؟ اس نے جواب دیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے' یہ سن کر میرے دل میں ایسے شکوک پیدا ہوئے جو زمانہ جاہلیت کے شکوک سے زیادہ مضبوط تھے' میں نے ان دونوں صاحبان کے ہاتھ کو پکڑا اور انہیں ہمراہ لے کر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گیا اور عرض کی: ان دونوں کی قرأت ملاحظہ فرمائیں۔ ان دونوں میں سے ایک نے قرأت کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف کی۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں اور شکوک پیدا ہو گئے پھر دوسرے صاحب نے قرأت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تعریف کی۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں مزید شبہات پیدا ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے ابی! میں اس شک سے تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرائیل میرے پاس آئے اور کہنے لگے' آپ کے پروردگار نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ ایک ہی طریقے کے مطابق قرآن کی قرأت کریں۔ میں نے دعا کی' اے میرے پروردگار! تو میری امت کو آسانی عطا کر' جبرائیل دوبارہ آئے اور کہا' آپ کے پروردگار نے آپ کو یہ اجازت دی ہے کہ آپ دو طرح سے قرأت کر سکتے ہیں۔ میں نے پھر دعا کی' اے میرے پروردگار! میری امت کو آسانی نصیب کر' جبرائیل دوبارہ آئے اور عرض کی: آپ کے پروردگار نے آپ کو اجازت دی ہے کہ آپ سات حروف پر قرآن پڑھ سکتے ہیں اور ہر ایک طرز کے عوض میں آپ کی ایک درخواست کو پورا کیا جائے

گا۔"

اس روایت کو شیخ حرث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے جسے ابن الجزری نے اپنی کتاب "النشر" میں نقل کیا ہے۔ البتہ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ یوں ہیں:

"عن ابی بن کعب ان جبریل لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو عند اضاۃ بنی غفار فقال: ان اللہ یامرك ان تقرئ امتك القرآن علی حرف، فقال: اسال اللہ معافاته ومعونته، فان امتی لا تطیق ذلك، ثم اتاہ الثانیۃ علی حرفین، فقال له مثل ذلك، ثم اتاہ الثالثۃ بثلاثۃ، فقال له مثل ذلك، ثم اتاہ الرابعۃ فقال له: ان اللہ یامرك ان تقرأ القرآن علی سبعۃ احرف فایما حرف قرءوا علیه فقد اصابوا۔

(صحیح مسلم، ۱:۵۶۳، رقم:۸۲۱)

"حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، بنو غفار کے تالاب کے پاس تشریف فرما تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ایک مخصوص طریقے کے مطابق اپنی امت کو قرأت کی تعلیم دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے مدد اور عافیت کا سوال کرتا ہوں کیونکہ میری امت اس بات کی طاقت نہیں رکھتی۔ جبرائیلؑ دوسری مرتبہ آئے اور دو مختلف طرح سے قرأت کی اجازت کی نوید سنائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ دعا کی۔ جبرائیل تیسری مرتبہ تین طرح کی قرأت کی نوید لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اپنی دعا دہرائی تو چوتھی مرتبہ حضرت جبرائیل حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی: اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اجازت دی ہے کہ آپ کی امت سات مختلف طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کے مطابق بھی قرأت کرلے گی تو اس کی قرأت درست شمار ہوگی۔"

امام مسلم ایک اور سند کے اعتبار سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں:

"قال کنت فی المسجد فدخل رجل یصلی فقرا قراءۃ انکرتها علیه، ثم دخل اخر فقراءۃ سوی قراءۃ صاحبه، فلما قضینا الصلاۃ دخلنا جمیعا علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، فقلت: ان هذا قرأ قراءۃ انکرتها علیه، ودخل اخر فقرا سوی قراءۃ صاحبه، فامرهما فقرآ فحسن النبی صلی اللہ علیه وسلم قراءتهما، قال: فسقط فی نفسی اولا اذ کنت فی الجاهلیۃ فضرب فی صدری ففضت عرقا وکانما انظر الی اللہ فرقا فقال: یا ابی ارسل الی ان اقرا القرآن" الی آخرہ۔

(صحیح مسلم، ۱:۵۶۱، رقم:۸۲۰)

''ایک مرتبہ میں مسجد میں نماز ادا کر رہا تھا۔ اسی دوران ایک اور شخص نے آ کر قرأت شروع کر دی۔ میں نے اسے ٹوکا اسی دوران ایک اور شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے بھی قرأت شروع کر دی۔ اس کی قرأت ہم دونوں سے مختلف تھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہم بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کی: یہ شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے قرأت شروع کی، میں نے اس کی قرأت کا انکار کیا پھر دوسرا شخص داخل ہوا جس کی قرأت اس پہلے سے مختلف تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو قرأت کا حکم دیا اور پھر دونوں کی قرأت کو درست قرار دیا۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں زمانہ جاہلیت کی مانند خلش پیدا ہوگئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا جس سے میرا سارا جسم پسینے میں ڈوب گیا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں خوفزدہ حالت میں اللہ کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابی! مجھے ان مختلف طریقوں سے قرأت کی اجازت دی گئی ہے۔''

طبری کی ایک روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں:

فدخلنی وسوسة الشیطان حتی احمر وجهی فضرب فی صدری وقال: اللهم اخسئ منه الشیطان.

''شیطان نے میرے دل میں وسوسہ ڈالا۔ یہاں تک کہ میرا چہرہ سرخ ہوگیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے اللہ! اس سے شیطان کو دور کر دے''

طبری نے ایک اور واقعہ یوں روایت کیا ہے جس کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں کی مختلف قرأت سن کر ارشاد فرمایا:

کلاکما محسن، وکلاکما مجمل، قال ابی: فقلت ما کلانا احسن ولا کلانا اجمل، قال فضرب فی صدری.

''تم دونوں کی قرأت درست ہے۔ ابی کہتے ہیں: میں نے عرض کی: ہم دونوں کی قرأت کسی طرح بہترین اور درست ہوسکتی ہے؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا۔''

ایک اور روایت کے مطابق ایک مرتبہ کسی شخص کی زبانی قرأت سن کر حضرت عمرو بن العاص نے اسے ٹوکا پھر جب اس واقعے کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان هٰذا القرآن انزل علی سبعة احرف فأی ذلك قرأتم فقد احسنتم ولا اصبتهم فلا تماروا فیه.

''بے شک یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے تم جس طرح سے چاہو قرأت کر سکتے ہو اور اس لیے اختلاف قرأت کے بارے میں جھگڑا نہ کرو۔'' (مسند احمد، ۴: ۲۰۵)

اس روایت کو امام احمد بن حنبل نے نقل کیا ہے۔

امام احمد، ابوعبید اور طبری، ابوجہیم کے حوالے سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ دو اشخاص کا کسی آیت کی قرأت میں اختلاف ہوا۔ انہوں نے اپنا مقدمہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا:

امام طبری اور طبرانی، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں:

جاء رجل الی رسول اللہ فقال: ان ابن مسعود اقرانی سورۃ اقرانیھا زید واقرانیھا ابی بن کعب فاختلفت قراء تھم، فقراءۃ ایھم آخذ؟ فسکت رسول اللہ وعلی الی جنبہ فقال علی: لیقرأ کل انسان منکم کماعلم فانہ حسن جمیل

(مناہل العرفان، ۱:۱۰۲)

''ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ابن مسعود، زید اور ابی بن کعب نے مجھے ایک ہی سورۃ پڑھنا سکھائی ہے لیکن تینوں کی قرأت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ میں کون سی قرأت کو اختیار کروں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا: انسان کو جو قرأت سکھائی جائے وہی بہتر ہوتی ہے۔''

ابن حبان اور حاکم، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کرتے ہیں:

اقرانی رسول اللہ من آل عمران فرحت الی المسجد فقلت لرجل اقراھا فاذا ھو یقرا حروفا ما اقراھا، فقال: اقرانیھا رسول اللہ، فانطلقنا الی رسول اللہ فاخبرناہ فتغیر وجھہ، وقال: انما اھلك من قبلکم الاختلاف، ثم اسرالی علی شیئا، فقال علی: فان رسول اللہ یامرکم ان یقراکل انسان کما علم، قال فانطلقنا وکل رجل منا یقرا حروف لا یقرؤھا صاحبہ.

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سورۃ آل عمران کی قرأت سکھائی۔ اس کے بعد میں مسجد چلا گیا۔ وہاں ایک شخص اسی سورۃ کو ایک اور طریقے سے پڑھ رہا تھا۔ اس نے مجھے بتایا۔ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قرأت سکھائی ہے۔ ہم دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنے اختلاف کا ذکر کیا تو ناراضگی کے باعث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ تبدیل ہو گیا اور فرمایا، تم سے پہلے والے لوگ آپس کے اسی اختلاف کے باعث تباہی کا شکار ہو گئے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ آواز میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ کہا، حضرت علی نے بلند آواز میں کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حکم دیا تم میں سے جو شخص جس طرح قرأت سیکھے اسی طرح قرأت کرے۔ ابن مسعود کہتے ہیں، ہم واپس آ گئے اور ہم میں سے ہر شخص ایک دوسرے

سے مختلف طریقے سے قرأت کرتا تھا۔''

ترمذی شریف میں ایک روایت یوں منقول ہے:

انه قال يا جبريل انى بعثت الى امة اميين فمنهم العجوز والشيخ الكبير والغلام والجارية والرجل الذى لم يقرأ كتاباقط فقال مرهم فليقرئوا القرآن على سبعة احرف (جامع الترمذى، ٥: ١٩٤، رقم الحديث: ٢٩٤٤)

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبرائیل! مجھے اَن پڑھ قوم کی طرف بھیجا گیا ہے جن میں بوڑھی عورتیں اور بوڑھے مرد موجود ہیں، کمسن بچے اور بچیاں موجود ہیں اور ایسے افراد بھی ہیں جو پڑھنا نہیں جانتے۔ تو حضرت جبرائیل نے عرض کی: آپ انہیں حکم دیجئے کہ وہ سات طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کے مطابق قرأت کریں۔''

الفاظ اور ان کے باطنی انوار

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اس طرح کی روایات بے شمار ہیں اور ان سب سے ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان احادیث میں سات حروف سے مراد قرأت کے تلفظ میں سات مختلف طرح کے طریقے ہیں؟

سیّدی دباغ نے جواب دیا: تلفظ سے متعلق اختلاف کی مثال ایک سائے کی سی ہے جبکہ باطنی انوار کی مثال جسم کی مانند ہے اس لیے اگر کوئی شخص سائے کے وجود کا قائل ہو تو اسے جسم کے وجود کا منکر قرار نہیں دیا جا سکتا بالواسطہ طور پر وہ شخص جسم کے وجود کا قائل ہوگا کیونکہ کوئی بھی سایہ جسم کے بغیر نہیں پایا جا سکتا۔ اگر سایہ ایک ہو تو جسم بھی ایک ہوگا اگر سائے متعدد ہوں تو جسم بھی متعدد ہوں گے اس لیے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام سائے کے ایک یا دو حروف لے کے آئیں گے تو گویا وہ جسم کے ایک یا دو حروف لائے ہیں اور جب وہ سات حروف لیکر آئیں گے تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتوں باطنی انوار کے مطابق پڑھنے کی اجازت دیدی گئی ہے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے عرض کی: آپ کی برکت سے سات باطنی حروف کا مفہوم سمجھ میں آ گیا ہے لیکن سات لفظی اختلافات سے کیا مراد ہے؟ کیا اس کا تعلق لغت کے ساتھ ہے؟ بعض اہل علم اس بات کے قائل ہیں لیکن پھر ان کے درمیان بھی بہت زیادہ اختلاف ہے۔ بعض دیگر اہل علم کے نزدیک ان سات اقسام کا تعلق احکام کے ساتھ ہے۔ یہ حضرات، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

''پہلی کتابیں ایک دروازے سے، ایک حرف پر نازل ہوتی تھیں لیکن قرآن مجید سات دروازوں سے سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ (وہ سات حروف یہ ہیں:) زجر، امر، حلال، حرام، محکم، متشابہ، امثال۔ لہٰذا تم قرآن کے حلال کو حلال سمجھو اس کے حرام کو حرام سمجھو، جس کا میں تمہیں حکم دوں اس

پر عمل کرو جس سے منع کردوں اس سے باز آجاؤ۔ قرآن کی امثال سے نصیحت حاصل کرو اس کے محکم پر عمل کرو۔ اس کے متشابہ پر ایمان لاؤ اور یہ کہو کہ ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔''

لیکن بعض اہل علم نے اس روایت کو غیر مستند قرار دیا ہے۔ اہل علم کا ایک گروہ[2] سات حروف سے مراد اختلاف قرأت لیتا ہے اور یہ حضرات بھی کئی گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ بعض اہل علم[3] کے نزدیک سات سے مراد کوئی متعین عدد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وسعت اور سہولت ہے اور حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ قرآن مجید کو عام لوگوں کی سہولت اور آسانی کیلئے نازل کیا گیا ہے لہٰذا ہر شخص اپنی آسانی کے مطابق قرأت کر سکتا ہے۔

سیّدی دباغ نے جواب دیا: اس اختلاف کا تعلق قرأت کے ساتھ ہے۔

اختلاف قرأت کی سات اقسام

سیّدی دباغ کی گفتگو سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرأت میں اختلاف سات طرح سے ہو سکتا ہے۔

1- اعراب کے اعتبار سے حرکات یا سکون میں اختلاف ہوگا جیسے ''اَلِیْمٍ'' کو ''اَلِیْمٌ'' بھی پڑھا گیا ہے۔

2- کسی حرف کی کمی یا بیشی میں اختلاف ہوگا جیسے ''سارعُو'' کو ''سارعوا'' بھی لکھا جا سکتا ہے۔

3- کسی لفظ کی کمی وبیشی میں اختلاف ہوگا جیسے ''ان اللہ ھو الغنی الحمید'' کو ''ان اللہ الغنی الحمید'' بھی پڑھا گیا ہے۔

4- الفاظ کی تقدیم وتاخیر میں اختلاف ہوگا جیسے ''جاءت سکرۃ الموت بالحق'' کو ''جاءت سکرۃ الحق بالموت'' بھی پڑھا گیا ہے۔

5- مخارج حروف میں اختلاف ہوگا جیسے لفظ ''صراط'' میں ''ص'' کا مخرج اشمام قرار دیا گیا ہے حالانکہ ''ص'' کا مخرج مختلف ہے وغیرہ۔

6- فتح، امالہ، ادغام یا اظہار میں اختلاف ہوگا۔

7- تیز یا آہستہ ادائیگی کے اعتبار سے قرأت میں اختلاف ہوگا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار آہستگی کے ساتھ اور کبھی تیزی کے ساتھ قرأت کیا کرتے تھے۔

سیّدی دباغ فرماتے ہیں: یہ تمام تر اختلافات باطنی انوار سے مربوط ہو سکتے ہیں اور ان انوار کا تعلق حروف اور حرکات کی تقسیم سے متعلق انوار کے ساتھ نہیں ہے۔ (یہ انوار درج ذیل ہیں)

آہستگی سے پڑھنے کا تعلق ''حرف روح'' کے ساتھ ہے۔

مخارج کی درست ادائیگی کے ہمراہ تیز پڑھنے کا تعلق حرف قبض کے ساتھ ہے۔

امالہ کا تعلق حرف نبوت کے ساتھ ہے۔

فتح کا تعلق حرف رسالت کے ساتھ ہے۔

اشمام کا تعلق حرف روح کے ساتھ ہے۔
حروف کی زیادتی کا تعلق حرف قبض اور کمی کا تعلق حرف روح کے ساتھ ہے۔
الفاظ کی کمی کا تعلق حرف علم اور بیشی کا تعلق حرف رسالت کے ساتھ ہے۔
الفاظ میں تقدیم کا تعلق حرف آدمیت اور تاخیر کا تعلق حرف علم کے ساتھ ہے۔
جہاں حرکات میں اختلاف نہ ہو اس مقام کا تعلق حرف بسط کے ساتھ ہوگا جیسے یہ آیت ہے:

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى (الضحیٰ، ۹۳:۷)

''اور اس نے آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ و گم پایا تو اس نے مقصود تک پہنچا دیا۔''

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) یہ تمام بیان سیّدی عبدالعزیز دباغ کا ہے۔ شیخ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ''المشکل'' میں قرأت کی مختلف صورتوں کی وضاحت کی ہے۔ ان کے کلام کو شیخ ابن الجزری نے اپنی تصنیف ''النشر'' اور ابن حجر نے اپنی تصنیف ''فتح الباری'' میں نقل کیا ہے۔ قاسم بن ثابت نے اپنی تصنیف ''الدلائل'' میں ابن قتیبہ کے بیان پر اعتراضات وارد کئے ہیں۔ شیخ ابوالفضل رازی اور ابن الجزری نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ ابوبکر نے اپنی تصنیف ''الانتصار'' میں اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔

اگر آپ ان علماء کی تحقیقات اور سیّدی دباغ کے بیان کا تقابلی جائزہ لیں تو حق آپ کے سامنے واضح ہو جائے گا کیونکہ سیّدی دباغ اپنے کشف کی روشنی میں بیان کرتے ہیں اور آپ صرف اس اختلاف قرأت کا تذکرہ کرتے ہیں جو آپ کو کشف کے ذریعے پتہ چلتا ہے اور پھر بطور خاص اس اختلاف کو باطنی انوار سے مربوط کرنا آپ ہی کا خاصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں ہمیں سیّدی دباغ کے علوم و برکات سے بہرہ مند فرمائے۔

رؤیائے صالحہ اور فرمانِ نبوی

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے سیّدی عبدالعزیز دباغ سے درج ذیل حدیث کے بارے میں دریافت کیا:

الرؤيا الصالحة من الرجل الصالح جزء من ستة واربعين جزءا من النبوة.

(فتح الباری، ۱۲:۳۶۷)

''کسی نیک آدمی کو دکھائی دینے والا اچھا خواب، نبوت کا 46واں حصہ ہے''

امام بخاری نے اور دیگر محدثین نے اس روایت کو اسی طرح نقل کیا ہے جبکہ امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ یہ 45واں حصہ ہے۔ امام طبری اور امام احمد بن حنبل نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے 49ویں حصے کی روایت نقل کی ہے۔ قرطبی نے 47ویں حصے کی روایت نقل کی ہے۔ طبری نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے 44ویں حصے کی روایت نقل

المتجر الرابح

في ثواب العمل الصالح

از : امام شرف الدین عبدالمؤمن بن خلف الدمیاطی

مترجم ابوالعلا محمد محی الدین جہانگیر

انمول تحفہ

مختلف اعمال کی فضیلت اور اُن کے اجر و ثواب سے متعلق احادیث کا جامع اور مستند مجموعہ، احادیث کے پورے ذخیرے کا عطر اور نچوڑ، درسِ حدیث دینے والے علماء، اعمالِ صالحہ سرانجام دینے کے خواہشمند حضرات، اور علومِ نبوت سے انوار کے حصول کے طلب گاروں کے لئے